وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶-کے ماڈل ٹاؤن — لاہور

PEPSI

MIRINDA

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶۰۳۱
۲۳۹۳۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا
وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ

ان شاء اللہ العزیز
وبفضل اللہ وعونہٖ

تنظیمِ اسلامی پاکستان

کا آٹھواں سالانہ اجتماع

۲۵ تا ۳۰ مئی ۸۴ء، قرآن اکیڈمی

۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور میں منعقد ہو گا
(کراچی میں کوئی مناسب جگہ دستیاب نہ ہو سکنے کے باعث یہ تبدیلی کی گئی ہے)

تمام رفقائے تنظیم

ابھی سے شمولیت کے لئے رخصت وغیرہ کا
انتظام شروع کر دیں اور حتی الامکان سفر
کا بھی اجتماعی اہتمام کریں۔

المعلن

قمر سعید قریشی، قیّم تنظیمِ اسلامی پاکستان

۱ - سالانہ اجتماع میں تمام رفقاءِ تنظیم اسلامی کی شرکت لازمی ہے - اگر کوئی عذر ہو تو پیشگی معذرت ضروری ہوگی -

---

۲ - خواتین اگر بسہولت آسکیں تو مناسب ہوگا - پیشگی اطلاع سے انتظامات میں سہولت ہوگی -

---

۳ - مناسب یہ ہوگا کہ رفقاء ۲۵ مئی ۸۴ء نماز جمعہ مسجد دارالسلام میں ادا کریں - اور وہاں سے قرآن اکیڈمی تشریف لے آئیں -

---

۴ - سالانہ اجتماع کی پہلی نشست کا آغاز ۲۵ مئی ۸۴ء نمازِ مغرب کے فوراً بعد ہوگا - اور رفقاء ۳۰ مئی ۸۴ء بدھ بعد دوپہر واپس روانہ ہوسکیں گے -

---

۵ - اجتماع کے دوران تمام رفقاء (بشمول رفقاء لاہور) کا قرآن اکیڈمی میں رہائش پذیر ہونا لازمی ہے - معذرت کی صورت میں پیشگی تحریری درخواست ضروری ہوگی -

---

۶ - ضروریات کا مختصر سامان بمطابق موسم ہمراہ لانا ضروری ہے -

---

۷ - اگر کوئی رفیق کوئی تجویز پیش کرنا چاہے یا کسی مسئلہ پر اظہارِ خیال کرنا چاہے تو اسے ۳۰ اپریل تک تحریری شکل میں دفتر کو ارسال کردے -

---

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد ٣٣ | شمارہ ۴ | رجب المرجب ۱۴۰۴ھ مطابق اپریل ۱۹۸۴ء

مشمولات

عرضِ احوال ——— ۲
عاکف سعید

امیر تنظیم اسلامی کے شب و روز ——— ادارہ ۳

الھدیٰ (تیرھویں نشست) ——— ۵
مقرر: ڈاکٹر اسرار احمد

توحیدِ عملی اور فریضہ اقامتِ دین ——— ۱۹
ڈاکٹر اسرار احمد

شرک اور اقسامِ شرک ——— ڈاکٹر اسرار احمد ۲۷

ولایت اور تقویٰ کا اصل دینی تصور ——— ۴۳
ملک اقبال احمد

عورت اور اسلامی معاشرہ ——— احمد افضال ۴۹

افکار و آراء ——— ۶۳
۱- ملت اسلامیہ کا المیہ
۲- ایں چہ بوالعجبیست

رفتارِ کار ——— ۷۵

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون
۳۰ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی
فون: ۸۵۲۶۱۱

سب آفس: ۱۱ داؤد منزل
نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی

کراچی فون برائے رابطہ
۲۱۴۷۰۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اپریل ۸۴ء کا شمارہ پیش خدمت ہے —— ۲۵ مارچ سے محاضراتِ قرآنی کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے۔ اُس کی اجمالی رپورٹ تو قارئین آئندہ ماہ کے شمارے میں ملاحظہ فرما سکیں گے۔ تاہم قارئین کے لئے یہ امر یقیناً اطمینان کا باعث ہوگا۔ کہ اِن محاضرات کے مرکزی مقرر مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدظلہٗ بھارت سے تشریف لا چکے ہیں۔ ان محاضرات میں وہ قرآن حکیم سے متعلق مختلف موضوعات پر تین لیکچر دیں گے۔ جن کے عنوانات حسب ذیل ہیں۔

۱ - دعوتِ قرآن اور اس کا مخصوص اسلوب

۲ - تفسیر قرآن اور اس کے اہم اصول

۳ - مولانا ابو الکلام آزاد: سیرت و شخصیت — علمی و عملی کارنامے اور حضرت شیخ الہند کا ان سے خصوصی تعلق۔

علی گڑھ یونیورسٹی سے ڈاکٹر محمد اقبال انصاری صاحب کی شرکت بھی بہت حد تک یقینی ہے — یہ تمام مقالے ان شاء اللہ میثاق یا حکمتِ قرآن کے صفحات میں قارئین کی نظر سے گزریں گے۔

ہمارا ملک ان دنوں جس طرح کے پریشان کن اور غیر یقینی حالات سے دوچار ہے اُن سے ہر باشعور شہری آگاہ ہے — اور ہر سوچنے سمجھنے والے شخص کے سامنے ایک بڑا سا سوالیہ نشان ہے کہ پاکستان کا مستقبل کیا ہوگا؟ مجھے یاد آیا کہ عنقریب لندن میں مقیم پاکستانی حضرات وہاں ایک کنونشن کا اہتمام کر رہے ہیں جس کا عنوان یہی ہے کہ What Future for Pakistan? — اس بار ۲۳ مارچ کو موقعہ کے مناسب حال والد محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خطبہ جمعہ میں "اسلام اور پاکستان" کے موضوع پر تقریر کی ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں اس خطاب کے چیدہ چیدہ حصے شائع کئے جائیں گے۔

امیرِ تنظیمِ اسلامی کے شب و روز

گذشتہ شمارے میں سفرِ امریکہ کی روداد کے ساتھ بطورِ ضمیمہ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہی کے قلم سے، وطن میں شب و روز کے عنوان سے ۲۰ جنوری تا ۱۹ فروری ۸۲ء کے دعوتی دورے اور دروس و خطابات کی فہرست آگئی تھی۔ ہم نے محسوس کیا کہ یہ سلسلہ جاری رہے تو مفید و مناسب ہے۔ حسنِ اتفاق سے پرچے کی آخری تیاری آج ۲۰ مارچ کو ہو رہی ہے۔ اس مناسبت سے ڈاکٹر صاحب کے ۲۰ فروری تا ۱۹ مارچ تک کے ایک ماہ کے شب و روز ملاحظہ فرمائیں!! (رفیق تنظیم اسلامی)

---

۲۰ تا ۲۲ فروری ● قیام لاہور

۲۳ فروری، جمعرات ● **گوجرانوالہ** ● ساڑھے گیارہ تا ایک بجے، تقریر سیرت النبیؐ گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ ظہر تا عصر تقریر "تنظیم اسلامی کی دعوت" جامع مسجد سیٹلائٹ ٹاؤن ظہر تا عصر۔ بعد عصر دس حضرات کی تنظیم میں شمولیت کے لئے بیعت۔

۲۴ فروری، جمعہ ● **لاہور** ● خطبہ جمعہ مسجد دارالسلام باغ جناح
بعد مغرب تقریر مسجد باغ والی شاہ عالم چوک "ختم نبوت و تکمیل نبوت"

۲۵، ۲۶ فروری ● قیام لاہور

۲۷ فروری، سوموار ● **حویلی لکھا** ● عصر تا مغرب خطاب جامع مسجد بلقیسیہ
بعد عشاء تقریر سیرت النبیؐ" زیر اہتمام بلدیہ حویلی

۲۸ فروری، منگل ● بعد نماز فجر درس و سوال و جواب کی ۲½ گھنٹے کی طویل نشست ——— ۲۲ حضرات نے تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔

۲۹ فروری، بدھ ● **اکوڑہ خٹک** ● ملاقات مولانا عبدالحق صاحب و مولانا سمیع الحق صاحب دارالعلوم حقانیہ
● **پشاور** ● بعد عصر تقریر "سیرت النبیؐ کا انقلابی پہلو" دارالعلوم مولانا راحت گل صاحب متصل یونیورسٹی
بعد عشاء تقریر "سیرت النبیؐ" جامع مسجد مہابت خان

یکم مارچ، جمعرات ● سوال و جواب مسجد مہابت خان، ۱۰ تا ۱۲ بجے دن ——— بعد ازاں دفتر تنظیم اسلامی پشاور میں نشست جہاں ۱۲ حضرات نے تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔

۲ مارچ، جمعہ ● **لاہور** ● خطبہ جمعہ مسجد دارالسلام باغ جناح
بعد مغرب خطاب مسجد باغ والی "تکمیلِ رسالت اور اس کے تقاضے"

۳ مارچ، ہفتہ ● **ایبٹ آباد** ● تقریر بعد نماز عشاء "مسلمانوں کی دینی ذمہ داریاں"

۴ مارچ، اتوار ● صبح ایبٹ آباد میں سوال و جواب کی ایک طویل نشست
● راولپنڈی جامع مسجد میں شام کو مفصل خطاب

۵، مارچ، سوموار • صبح اجتماع خصوصی رفقائے تنظیم اسلامی راولپنڈی / اسلام آباد
بعد مغرب درس قرآن کمیونٹی سنٹر آب پارہ اسلام آباد (سورۃ آل عمران کا آخری رکوع)

۶، مارچ، منگل • **کوہاٹ** • مفصل خطاب جامع مسجد حاجی بہادرؒ
۷، مارچ، بدھ • ۱۱ بجے خطاب بار ایسوسی ایشن ــــ سہ پہر خطاب اجتماع خواتین ــــ بعد عشاء تقریر جامع مسجد کوہاٹ کینٹ
۸، مارچ، جمعرات • صبح تفصیلی نشست سوال و جواب ــــ ۸ مردوں اور ۲ خواتین نے بیعت کی ــــ شام کو واپسی لاہور
۹، مارچ، جمعہ • **لاہور** • خطاب جمعہ مسجد دارالسلام ــــ بعد مغرب درس قرآن اجتماع عمومی تنظیم اسلامی لاہور (سورۃ مدثر کا نصف اول)

۱۰، مارچ، ہفتہ • **کراچی** • درس قرآن جامع مسجد میمن سوسائٹی بعد نماز عشاء
۱۱، مارچ، اتوار • سوال و جواب کی نشست اور اجتماع رفقائے تنظیم اسلامی، دفتر تنظیم اسلامی میں
متعدد حضرات نے تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔
۱۲، مارچ، پیر • **ٹنڈوجام** • تقریر سیرت النبیؐ بعد نماز عشاء اٹامک اگریکلچرل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
بعد فجر درس قرآن و نشست سوال و جواب (ٹنڈوجام)
۱۳، مارچ، منگل • **ٹنڈوآدم** • بعد عشاء تقریر سیرت النبیؐ
۱۴، مارچ، بدھ • صبح نشست سوال و جواب، میونسپل لائبریری ٹنڈوآدم
• **حیدرآباد** • بعد عصر اجتماع رفقائے تنظیم اسلامی۔
• **کوٹری** • بعد عشاء تقریر سیرت النبیؐ۔
۱۵، مارچ، جمعرات • **کراچی** • خطاب جلسہ سیرت النبیؐ زیر اہتمام کالٹکس لمیٹڈ بعد مغرب
واپسی لاہور بذریعہ نائٹ کوچ
۱۶، مارچ، جمعہ • **لاہور** • خطاب جمعہ مسجد دارالسلام
• **فیصل آباد** • بعد مغرب خطاب اجلاس پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن
۱۷، مارچ، ہفتہ • دوپہر خطاب بار ایسوسی ایشن فیصل آباد
بعد عشاء مفصل خطاب مشتمل بر تنظیم اسلامی کی دعوت جامع مسجد فتح الدین عبداللہ پور فیصل آباد
۱۸، مارچ، اتوار • مفصل نشست سوال و جواب جامع مسجد فتح الدین عبداللہ پور ــــ ۱۱ حضرات نے تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔

الھُدیٰ

(تیرہویں نشست)

(مباحث ایمان)

قرآن کے فلسفہ و حکمت کی اساسِ کامل

سورۂ فاتحہ

از : ڈاکٹر اسرار احمد

(۴)

السلام علیکم - نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۙ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۙ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۙ

(آمین یا ربّ العلمین)

"کل شکر اور کل ثنا کا سزاوارِ حقیقی اللہ ہے جو پوری کائنات کا مالک اور پروردگار ہے - بہت رحم فرمانے والا اور نہایت مہربان ہے - جزا و سزا کے دن کا مالک و مختار ہے۔ اے رب! ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کرینگے اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور چاہیں گے -

اے رب، ہمیں ہدایت بخش سیدھی راہ کی راہ ان کی جن پر تیرا انعام ہوا جو نہ تو مغضوب ہوئے کہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور جو نہ گمراہ ہوتے''

اے تمام جہانوں کے آقا ایسا ہی ہو)

مکرّم ناظرین اور محترم سامعین!

سورۂ فاتحہ کے مطالعہ کے ضمن میں' جسے امّ القرآن اور اساس القرآن بھی کہا گیا ہے اور جو ہماری نماز کی ہر رکعت کا جزو لاینفک ہے' ہم نے پہلی نشست میں چند بنیادی باتیں بطور تمہید کہی تھیں - جن میں یہ بھی عرض کیا تھا۔ کہ اس سورہ مبارکہ کی اگرچہ آیات سات ہیں لیکن نحوی اعتبار سے ان سات آیات سے تین مکمل جملے بنتے ہیں - پہلا جملہ ابتدائی تین آیات پر مشتمل ہے ہم نے محدود وقت میں امکانی حد تک ان تین آیات پر مشتمل پہلے جملہ کے مفاہیم و مطالب پر دوسری نشست میں اور اس کی چوتھی آیت پر جو اس سورہ کی مرکزی آیت بھی ہے تیسری نشست میں غور کیا تھا — آج ہم اس مختصر وقت میں جو ہمارے پاس ہے - آخری تین آیات پر جو ایک مکمل جملہ پر مشتمل ہے غور کریں گے -

فرمایا:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (آمین)

''(اے رب ہمارے) ہمیں ہدایت بخش سیدھی راہ کی - راہ ان لوگوں کی جن پر تیرا انعام ہوا - جو نہ تو مغضوب ہوئے کہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور جو نہ گمراہ ہوئے'' (اے تمام جہانوں کے مالک! ایسا ہی ہو -)

پہلی تین آیات کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوئی تھی کہ ایمان باللہ یا توحید اور ایمان بالآخرہ یا معاد تک تو ایک سلیم الفطرت اور سلیم العقل انسان عقل و فطرت کی رہنمائی میں از خود بھی رسائی حاصل کر سکتا ہے - جس کے نتیجہ

میں ایک بے پناہ جذبہ عبادت و استعانت اس کے باطن میں ابھرتا ہے۔ لیکن جہاں تک صراطِ مستقیم یعنی زندگی بسر کرنے کے معتدل اور متوازن طریقہ کا معاملہ ہے وہاں انسانی عقل بالکل بے بس اور مجبور ہے۔ یہ ہے وہ مقام جہاں بندہ سراپا احتیاج بن کر اور گھٹنے ٹیک کر ایک استدعا، ایک درخواست اپنے مالک کے حضور پیش کرتا ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ "اے رب! ہماری رہنمائی فرما، ہمیں دکھا، ہمیں چلا اس راستہ پر جس میں کوئی کجی نہیں، کوئی ٹیڑھ نہیں، جس میں افراط و تفریط کے دھکے نہ ہوں جو ہمیں سیدھا تیری رضا تک پہنچانے والا ہو، جو ہمیں سیدھا آخرت کی کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرنے والا ہو"۔ لفظِ ہدایت عربی زبان کا ایک بڑا وسیع المفہوم لفظ ہے۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ راستہ دکھا دیا جائے، سوجھا دیا جائے۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ اس راستہ پر دل کو کھول دیا جائے، اس میں یہ بھی شامل ہے کہ انگلی پکڑ کر اس راستہ پر چلایا جائے اور اس میں یہ بھی شامل ہے کہ منزلِ مراد تک پہنچا دیا جائے — یہ ہدایت کے مختلف مراحل ہیں۔ سورہ محمد میں فرمایا: وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ — "وہ لوگ جو ہدایت کے راستہ پر آتے ہیں، ہم ان کی ہدایت میں اضافہ کرتے ہیں اور انہیں ان کے حصہ کا تقویٰ عطا کرتے ہیں"۔ سورۂ مریم میں فرمایا: وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ط "اور اللہ ان لوگوں کی ہدایت اور راست روی میں اضافہ فرماتا ہے جو ہدایت اور راست روی کا راستہ اختیار کرتے ہیں" — یہ ہدایت مسلسل بڑھتی چلی جاتی ہے، اس میں ترقی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے تمام مدارج و مراحل مومنین صادقین کو طے کرا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی منزل مراد تک جا پہنچتے ہیں اور جنت میں داخلہ کے وقت ان کی زبانوں پر یہ ترانہ حمد جاری ہو جاتا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ — "وہ سارا شکر و سپاس اور ساری تعریف و ثنا اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا۔ ہم خود راہ یاب نہ ہو سکتے تھے اگر

اللہ ہی ہماری رہنمائی نہ فرماتا۔ اصلاً یہی عقل بنیاد ہے ایمان بالرسالت کی چونکہ ہدایت الٰہی رسولوں ہی کے واسطہ سے بنی نوع انسان تک پہنچی ہے۔ اس لئے سورہ اعراف کی جو آیت ابھی میں نے آپ کو سنائی ہے اس کے آخر میں کامیاب و بامراد مومنین کا یہ قول بھی نقل ہوا: لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط "وہ ہمارے رب کے رسول واقعی حق لے کر ہی تشریف لائے تھے"۔

یہاں ایک اہم بات سمجھ لینی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ ہمیں یہ مغالطہ نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ شخص جو بنیادی حقائق تک پہنچ چکا ہے۔ جس نے اللہ کو پہچان لیا، اس تعالیٰ کی توحید کو پہچان لیا، اس تعالیٰ کی صفاتِ کمال کو پہچان لیا، اس تعالیٰ کی ربوبیت، رحمانیت و رحیمیت کا اعتراف کر لیا، اس تعالیٰ کے مالکِ یوم الدین ہونے کا اقرار کر لیا۔ پھر اُسی تعالیٰ کی بندگی اور پرستش کا عہد و پیمان کر لیا۔ اُسے گویا معرفت الٰہی تو حاصل ہو گئی اب اُسے کون سی ہدایت مطلوب ہے، جس کے لئے وہ دُعا کر رہا ہے کہ: اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ہ پس معلوم ہونا چاہیئے کہ ہدایت کا انسان ہر مرحلہ پر محتاج رہتا ہے۔ یہاں درحقیقت جس احتیاج کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے وہ احتیاج یہ ہے کہ انسان اس دنیوی زندگی کے مختلف معاملات میں جو نہایت پیچیدہ ہیں، ان مسائل میں جو باہم گتھے ہوئے ہیں۔ ان میں اعتدال کی روش، ان میں متوازن طرزِ عمل کا محتاج ہے۔ یہ انسان کی وہ ضرورت ہے جس کے لئے انسان ہمیشہ سے محتاج ہے اور ہمیشہ محتاج رہے گا۔ اس لئے کہ یہ زندگی، اس کی پیچیدگیاں اس کے گوناگوں تقاضے، اُس کے مختلف مطالبے، اور ان کا آپس میں تصادم۔ یہ وہ ضرورت ہے کہ کسی انسان کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ مجرد اپنی عقل اور تجربے کی بنیاد پر وہ صراط مستقیم، وہ سواء السبیل، وہ متوازن اور معتدل راستہ تلاش کر سکے کہ جس پر چل کر وہ زندگی کی سعادتوں سے پرسکون طور پر ہمکنار ہو سکے۔ یہ ہے درحقیقت انسان کی ضرورت۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ جہاں تک ایمان کے بنیادی تصورات ہیں وہاں تک پہنچنے کے لئے انسان اپنی عقل اور فطرت سے بھی رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔

جیسا کہ پہلے سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کے مطالعہ میں یہ بات ہمارے سامنے آچکی ہے کہ توحید اور معاد تک انسان کی رسائی ہوجاتی ہے لیکن زندگی کی ان پُرپیچ راہوں میں سیدھی راہ کی تلاش یہ انسان کے بس میں نہیں ہے یہاں وہ مجبور ہے کہ گھٹنے ٹیک کر اپنے مالک سے درخواست کرے کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ - اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں یہی واحد راستہ (The only way) ہے -

اس بات کو چند مثالوں سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے - پہلی مثال یہ ہے کہ مرد اور عورت کے مابین صحیح توازن کے معاملہ میں تاریخ انسانی میں ہمیں افراط و تفریط نظر آئے گی - کسی معاشرے میں عورت بالکل بھیڑ بکری کی طرح ایک مملوک کی حیثیت رکھتی ہے، اس کی حیثیت جوتی کی نوک کے برابر بھی نہیں ہوتی - کہیں ہم دیکھتے ہیں کہ وہی عورت قلوپطرہ بن کر کسی ملک کی تقدیر کا فیصلہ کر رہی ہے - اس نے ملک کی تباہی و بربادی کا سامان فراہم کیا ہے - مرد و عورت کے درمیان توازن اور عدل یہ عقلِ انسانی کے بس میں نہیں ہے - یہاں انسان اُس فاطرِ فطرت کی رہنمائی کا محتاج ہے جس نے مرد کی تخلیق بھی کی ہے اور عورت کی بھی - جو دونوں کے عواطف اور میلانات کا جاننے والا ہے - جو تہذیب و تمدن میں دونوں کے حقوق اور فرائض کا صحیح صحیح تعین کر سکتا ہے کہ جس کی بدولت انسانی تمدن کی گاڑی دونوں پہیوں پر ہمواری کے ساتھ سیدھی راہ پر آگے بڑھ سکے -

دوسری مثال فرد اور اجتماعیت کے باہمی تعلق و توازن سے متعلق ہے - اگر افراد کی انفرادی آزادی پر زیادہ Emphasis ہوتا ہے - ان کے حقوق پر زور دیا جاتا ہے تو پلڑا ایک جانب کو جھک جاتا ہے - کہیں ایسا ہوتا ہے کہ اجتماعیت اس طور پر مسلط ہو جاتی ہے کہ فرد اس کے نیچے سسکنے لگتا ہے، اس کے حقوق پامال ہو جاتے ہیں - اس کو اجتماعیت کے بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے ان کے مابین توازن قائم رکھنا واقعہ یہ ہے کہ عقلِ انسانی اس کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ وہ ایسے صحیح نقطۂ اعتدال کا تعین کر

سکے کہ جہاں فرد کے حقوق بھی برقرار رہیں - اس کی انفرادی شخصیت کے ارتقاء کے امکانات بھی موجود رہیں - پھر یہ کہ فرد کہیں بھی معاشرے کے لئے ایک مضر اور نقصان دہ عنصر کی حیثیت اختیار نہ کر سکے بلکہ ان دونوں کے مابین ایک مبنی بر عدل کامل توازن قائم ہو سکے - انسانی عقل اور تجربات ایسا نظام قائم کرنے سے یکسر قاصر ہیں - ان کے تجویز کردہ نظام لازماً افراط و تفریط سے دوچار ہوں گے -

تیسری مثال - انڈسٹریل انقلاب (INDUSTRIAL REVOLUTION) کے بعد ایک نیا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا ہے اور وہ ہے سرمایہ اور محنت کے مابین صحیح توازن - اس میں اعتدال اور اس میں نقطۂ عدل و قسط کی تلاش میں انسانیت کتنی سرگرداں ہے، وہ کیسے کیسے تجربے کر رہی ہے وہ روز روشن کی طرح ہمارے سامنے ہے - کہیں وہ انفرادی ملکیت کی نفیِ کُلّی کی طرف جا رہی ہے جس سے انسان کی شخصی آزادی اور اس کی آزاد شخصیت کچل کر رہ جاتی ہے - کہیں ایسا ہوتا ہے کہ سرمایہ ایک بہت بڑے ڈکٹیٹر کی شکل اختیار کرتا ہے اور ایک سرمایہ دارانہ نظام معاشرے پر مسلط ہو جاتا ہے جسے فی الواقع Dictator ship of Capitalist کہنا چاہیئے - جس میں مزدور پس جاتا اور دب جاتا ہے - اس لئے ایک باعزت اور آسودہ زندگی بسر کرنا محال ہو جاتا ہے -

یہ ہیں وہ پیچیدہ معاملات اور مسائل جن میں سے میں نے صرف تین مثالیں دی ہیں - واقعہ یہ ہے انسانی زندگی کے یہ مختلف تقاضے و مطالبے گوناگوں ان کے شعبے اور ان کے مابین تفاوت، ان کے مابین تصادم اور اس کو دُور کرنے کے لئے توازن اور نقطۂ عدل کا تعین کرنے سے انسان قاصر ہے - ان کے حل کے لئے جب بھی انسان سوچے گا وہ اپنے ظروف و احوال میں رہ کر سوچے گا - انسان جب بھی ان کا حل تلاش کرے گا وہ اپنی ذات کو علیحدہ کر کے کوئی معتدل راہ تلاش نہ کر پائے گا — نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی سوچ میں کہیں نہ کہیں کجی واقع ہو جائے گی - کسی نہ کسی طرف اس کا جھکاؤ ہو جائے گا اور صحیح، متوازن و عادلانہ نظام تجویز نہیں کر سکے گا -

یہ صراطِ مستقیم، یہ سواء السبیل، یہ قصد السبیل، یہ سبیل السلام، قرآن مجید اس معتدل و متوازن راستے کو مختلف ناموں سے تعبیر کرتا ہے۔ سورہ فاتحہ میں اسے صراطِ مستقیم کہا گیا ہے۔ سیدھا راستہ۔ کہیں اسے سواء السبیل کہا گیا ہے کہیں صراط السوی، درمیان کا راستہ جیسے خطِ استوا ہے جو ہمارے کرۂ ارضی کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ پس سواء السبیل وہ راستہ ہوگا جس میں کامل توازن ہو، افراط و تفریط نہ ہو، کسی ایک جانب جھکاؤ نہ ہو جائے۔ کہیں قصد السبیل سے تعبیر کیا گیا۔ ہموار راستہ جس میں اونچ نیچ نہ ہو۔ کہیں اسے سبیل السلام کہا گیا سلامتی کا راستہ جس میں امن و سکون ہو، ظلم و عدوان نہ ہو، تعدّی و استحصال نہ ہو۔

یہ ہے درحقیقت انسان کی وہ احتیاج جس کے لئے وہ گھٹنے ٹیک کر اپنے پروردگار کے سامنے استدعا کرنے پر مجبور ہے کہ: اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ اے میرے رب میں نے تجھے پہچان لیا، تیری توحید کو جان لیا، ادنیٰ درجہ میں مجھے تیری صفاتِ کمال کی معرفت بھی حاصل ہوگئی۔ میں نے یہ بھی جان لیا کہ مجھے مرنے کے بعد تیرے حضور میں حاضر ہونا ہے، مَیں یہ بھی جان چکا ہوں کہ اُس دن اختیارِ مطلق تیرے ہاتھ میں ہوگا: یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ "وہ دن وہ ہوگا جب کسی جان کے لئے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا، اس دن کامل اختیار صرف اللہ کے ہاتھ میں ہوگا" میں نے یہ ارادہ بھی کر لیا ہے کہ میں تیری ہی بندگی اور پرستش کروں گا اور اس کے لئے میں تیری اعانت اور امداد کا محتاج ہوں — لہٰذا اب میں تجھ سے دست بستہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ زندگی بسر کرنے کا وہ صراطِ مستقیم، وہ سواء السبیل، وہ سبیل السلام مجھ پر واضح فرما، مجھ پر کھول دے، مجھے اُس کی ہدایت عطا فرما۔ اس کے لئے میرے دل کو انشراح بخش، مجھے اس پر چلنے کی توفیق دے۔ اس پر چلاتے ہوئے مجھے میری فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی کی آخری منزل تک پہنچا دے — یہی ایمان بالرسالت کی عقلی بنیاد ہے چونکہ ہدایتِ ربّانی کو انسانوں

تک پہنچانے کے لئے رسولوں کی مقدس جماعت فائز ہوتی رہی ہے - وَ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ط اور اس سلسلۃ الذہب کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین آخری ہادی اور آخری کڑی ہیں -

اس کے بعد ایک قاعدہ بیان ہو رہا ہے جس سے ہم سب اچھی طرح واقف ہیں - وہ یہ کہ جس چیز کی انسان کی نظر میں اہمیت ہوتی ہے وہ اسے مزید کھولتا ہے، اسے خوب واضح کرتا ہے - انسان کے دل میں جس چیز کی محبت ہوتی ہے وہ اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے - لہٰذا اس صراطِ مستقیم کی اہمیت کے لئے آگے اس کی وضاحت ہو رہی ہے : اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ ”اے رب ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت عطا فرما، ان لوگوں کے راستہ کی جن پر تو نے انعام نازل فرمایا جن پر تو نے فضل فرمایا“ یہ لوگ کون ہیں ؟ اس سورہ مبارکہ میں اجمال ہے اختصار ہے - ظاہر بات ہے کہ یہاں ساری تفاصیل ممکن نہیں تھیں - لیکن قرآن مجید کی تفسیر کا یہ اصول ذہن میں رکھیے کہ اَلْقُرْاٰنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا - ”قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تفسیر کرتا ہے۔ اس پہلو سے اگر تلاش کیا جائے کہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ، کی تفسیر قرآن مجید میں کہاں وارد ہوئی ! تو سورہ النساء کی یہ آیت سامنے آئے گی : وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ”اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت پر کاربند ہو جائیں، جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لیں۔ پس یہ وہ لوگ ہیں جن کو معیت اور رفاقت نصیب ہوگی ان کی جن پر اللہ کا انعام ہوا یعنی انبیاء کرام (علیہم السلام) صدیقین عظام شہداء کرام اور صالحین اور کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آجائیں“ یہ چار گروہ ہیں مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ کے، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کا انعام اور فضل ہوا - انبیاء سب سے بلند سب سے اونچے، اعلیٰ مرتبت ، کے بعد درجہ ہے حضراتِ صدیقین کا،

اس کے بعد تیسرے نمبر پہ آتے ہیں شہداء کرام - پھر عام مومنین صالحین ہیں — اے رب ہمیں ان مُنعَم عَلَیھِم کے راستہ کی ہدایت بخش، ہمیں ان کے راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما - ہمیں بالفعل ان کے راستہ پر چلاکر ان ہی کی رفاقت و معیت عطا فرمائے کہ ہم انہی کے ساتھ شامل ہو جائیں : اَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِیْنَ - " اے پروردگار ہمیں ملحق کر دیجیو ان ہی کے ساتھ جو صالحین ہیں - وہ بندے جن سے تو راضی ہوا، جن پر تیرا انعام نازل ہوا -

اس مثبت انداز کے بعد ایک سلبی اور منفی انداز میں بھی وضاحت کی گئی : غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ - جو نہ تو مغضوب علیھم میں شامل ہیں، وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝ اور نہ ہی گم کردہ راہ ہیں اور غلط راہوں میں بھٹک رہے ہیں — درحقیقت یہ دو کیفیات ہیں جنہیں ان الفاظ میں بیان کیا گیا - ایک مغضوب علیھم ہے - جو بہت ہی ناپسندیدہ ہے گویا جن کا ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا والا معاملہ ہے جب کوئی قوم یا امّت یا کوئی مجموعہ افراد یا کوئی انسان ہدایت کی راہ کو اپنے نفس کی شرارتوں کے باعث اور اپنی خواہشات و شہوات کا اتباع کرتے ہوئے جان بوجھ کر چھوڑ دے - صداقت و ہدایت کی راہ سے جان بوجھ کر اعراض کرے اس سے مُنہ موڑے تو ان لوگوں کے بارے میں قرآن کہتا ہے : مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ - جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا - لوگ حق کو حق اور باطل کو باطل جان کر بھی اپنے تعصبات کی وجہ سے اپنی خواہشات کی وجہ سے یا اپنے مفادات کی بنیاد پر حق کو چھوڑ کر باطل کو اختیار کرتے ہیں تو وہ لوگ ہیں مَغضوب علیھم —

ایک دوسرا گروہ بھی ہے جو مغالطوں میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کے معاملہ میں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی نیکی کے جذبہ کے تحت وہ غلط راستہ پر چل پڑتا ہے - اس گروہ میں چند لوگوں کا اچھا جذبہ غیر معتدل ہو کر کسی غلط صورت میں ڈھل جاتا ہے اس گروہ کے متعلق قرآن کہتا ہے ضَآلِّیْنَ — وہ لوگ جو بھٹک گئے، جو گم کردہ راہ ہیں وہ قافلہ جو اپنا صحیح راستہ بھول کر کسی دوسری جانب نکل گیا - اس لفظ

ضآل کا ایک دوسری صورت پر بھی اطلاق ہوتا ہے - جو شخص تلاش حقیقت میں سرگرداں ہو اس کے اندر طلب ہدایت موجود ہو لیکن ابھی وہ غور و فکر کے مراحل طے کر رہا ہو اس کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے - چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی سورہ ضحیٰ میں اسی لفظ کا اطلاق کیا گیا: وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ہ "اے نبی آپ کو پایا آپ کے رب نے تلاش حقیقت میں سرگرداں تو آپ پر ہدایت کا راستہ کھول دیا" آپ میں تلاش حقیقت کا جذبہ شدت کے ساتھ ابھارا تھا - غارِ حرا کی خلوت گزینی اسی لئے تھی تو پروردگار کی جانب سے پردے اٹھا دیئے گئے وحی کا آغاز ہو گیا۔

الغرض ضآلین کا لفظ مغضوب علیہم کی بہ نسبت ہلکا ہے۔ مغضوب علیہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے شرارتِ نفس کے طفیل اپنی خواہشات اور شہوات کے اتباع میں اور اپنے مفادات کے تحفظ میں حق کو جان بوجھ کر ترک کر دیا اور ضآلین وہ ہیں جو یا تو کسی مغالطہ میں راہ حق سے کسی گمراہی کی طرف بھٹک گئے یا ابھی تلاشِ حقیقت میں سرگرداں ہیں مفسرین کے نزدیک مغضوب علیہم کی سب سے بڑی مثال یہود ہیں کہ جنہوں نے جو ٹھوکریں کھائی ہیں، وہ کسی اندھیرے کے باعث نہیں کھائی ہیں، بلکہ اس وقت کھائی ہیں جبکہ سورج نصف النہار پر چمک رہا تھا - ان کے پاس اللہ کا کلام موجود، اللہ کی ہدایت موجود، اللہ کی شریعت موجود لیکن اپنی شرارتِ نفس کے باعث انہوں نے اس میں تحریفات کیں - اس کے بجائے کہ اپنے آپ کو اللہ کی منشا کے مطابق ڈھال لیتے انہوں نے اللہ کے کلام اور اس کے قانون کو اپنی خواہشات کی منشا پر ڈھال لیا - وہ جو علامہ اقبال نے ہمارے علماء سُو کے لئے فرمایا ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

اس طرزِ عمل کی انتہا تک علمائے یہود پہنچے ہوئے تھے اور ان کے متبعین، یہ مغضوب علیہم کے زمرے میں شامل ہیں ان کے متعلق قرآن آگے کہتا ہے:

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ط
"ان پر ذلت اور مسکنت تھوپ دی گئی، وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے "
اس لئے کہ اللہ تعالےٰ کی ہدایت کے حامل ہونے کے باوجود اپنی شرارتِ نفس کے باعث اس ہدایت سے روگردانی کی اور اپنی خواہشاتِ نفس کا اتباع کیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی مخالفت پر پیش پیش رہے۔
سابقہ امم میں سے ضالین کی نمایاں مثال نصاریٰ ہیں متبعین حضرت عیسٰی علیہ السلام۔ اس لئے کہ غلو میں انہوں نے حضرت مسیحؑ کا مقام بڑھایا۔ فرطِ عقیدت میں انہیں اللہ کا بیٹا قرار دے دیا۔ ساتھ ہی عملی طور پر بھی ان میں غلو آیا۔ رہبانیت کی بدعت انہوں نے اختیار کی جس کے متعلق سورۃ حدید میں ارشاد ہوا: وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ
" رھبانیت کی بدعت خود انہوں نے اختیار کی ہم نے ان پر لازم نہیں کی تھی انہوں نے یہ اللہ کی رضا کے لئے کی تھی لیکن پھر وہ اس کی پابندی بھی نہ کر سکے جیسی کہ کرنی چاہیئے تھی "۔ یہ درحقیقت ایک خلافِ فطرت نظام تھا جو انہوں نے خود اپنی مرضی سے اپنی نیکی کے جذبہ کے غلو اور اس میں غیر متوازن پابندیاں عائد کرتے ہوئے اختیار کر لیا تھا۔ ان میں کچھ لوگ بہرحال ایسے باہمت نکلے جو ان پابندیوں کو نباہ گئے لیکن ان کی اکثریت ان پابندیوں کو نباہ نہ سکی۔ نتیجتہً جو کچھ ہونا چاہیئے تھا وہ ہوا۔ وہاں راہب خانوں کے تہہ خانوں میں ناجائز اولاد کے قبرستان بن گئے۔ یہ سارا معاملہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے فطرت کے خلاف کام کیا۔ چنانچہ مفسرین کے نزدیک سورہ فاتحہ میں مغضوب علیہم سے مراد یہود ہیں اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ ویسے اس مفہوم کو عام رکھا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر اس کو ان دو نمایاں مثالوں سے سامنے رکھا جائے تو بھی بات درست ہے۔

بہرحال یہ ہے تیسرا جزو سورہ فاتحہ کا جس میں انسان کی ایک احتیاج

سامنے آتی ہے - اللہ کی معرفت اس کی صفاتِ کمال کی معرفت، جزا و سزا کے دن کی معرفت اللہ کی بندگی و پرستش کا عہد و پیمان، اسی سے استعانت و استمداد طلبی کا قول و قرار، یہاں تک تو عقل و فطرت کی رہنمائی میں انسان خود بھی پہنچ جاتا ہے - لیکن جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی جس رہنمائی کا محتاج ہے وہ یہ ہے کہ زندگی کی ان پرپیچ وادیوں میں وہ سیدھا راستہ کونسا ہے - وہ معتدل صراطِ مستقیم سواء السبیل کونسا ہے؟ جس پر چل کر وہ ٹھوکروں اور افراط و تفریط کے دھکوں سے بچتا ہوا اپنی منزل مراد کو پہنچ جائے - اس کے لئے وہ اپنے پروردگار سے دست بستہ ہو کر درخواست کرتا ہے :-

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ یہ ہے وہ حصہ جس کے بارے میں اُس حدیث قدسی میں جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے یہ الفاظ وارد ہوتے ہیں : هٰذَا لِعَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ - "یہ سورہ فاتحہ کا یہ حصہ میرے بندے کے لئے ہے میں نے دیا اپنے بندے کو جو اس نے طلب کیا۔" الطافِ خسروانہ اور انتہائی فضل و کرم کے انداز میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ — واقعہ یہ ہے کہ یہ حدیث قدسی اس سورہ مبارکہ کے تجزیہ میں بھی بہت مفید ہے اور اس کی عظمت کو بھی تمام و کمال اور بحسن و خوبی ظاہر کر رہی ہے - یہ فطرتِ انسانی کی وہ ترجمانی ہے کہ اگر واقعتہً کوئی شخص گہرے احساس و شعور کے ساتھ یہ الفاظ اس کے قلب و ذہن کی گہرائیوں سے نکل رہے ہوں تو ان کی تاثیر کا عالم وہی ہے جو اس حدیث قدسی میں وارد ہوا - اِدھر بندہ ایک ایک جملہ کہتا ہے اُدھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب ملتا چلا جاتا ہے بقول علامہ اقبال ؎

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
اُٹھتے ہیں حجاب آخر کرتے ہیں خطاب آخر

سورہ فاتحہ کے تیسرے اور آخری جزو کی قدرے توضیح و تشریح کے بعد میں چاہونگا کہ وہ حدیث قدسی آپ دوبارہ سن لیں جس کا ان مجالس میں بارہا

ذکر آیا ہے، حدیثِ قدسی یہ ہے :-

عن ابی ھریرۃ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول اللّٰہ تعالیٰ قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی نصفین فنصفہا لی و نصفہا لعبدی ولعبدی ما سأل اذا قال العبد الحمد للّٰہ رب العٰلمین قال اللّٰہ حمدنی عبدی واذا قال الرحمٰن الرحیم قال اللّٰہ اثنی علی عبدی واذا قال مٰلک یوم الدین قال مجدنی عبدی واذا قال ایاک نعبد و ایاک نستعین قال ھذا بینی وبین عبدی و لعبدی ما سأل فاذا قال اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قال ھذا العبدی ولعبدی ما سأل - (رواہ مسلم)

یہ بات پہلے واضح کی جاچکی ہے کہ سورہ فاتحہ ایک نہایت خوبصورت اور انتہائی موزوں مقدمہ اور دیباچہ ہے قرآن مجید کا — صراطِ مستقیم کی ہدایت کی وہ احتیاج جس کے لئے قرآن حکیم نازل ہوا چنانچہ اس سورہ مبارکہ کے فوراً بعد آغاز ہوجاتا ہے : الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝ یہ ہے وہ کتاب جو ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے - یہ کسی فلسفی کے اپنے خیالات، اپنے نظریات اور اپنے تخمین وظن پر مبنی کتاب نہیں ہے یہ کسی فلسفی کے اپنے غور و فکر کا نتیجہ نہیں ہے یہ کتاب وہ ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے یہ الحق ہے - سراسر حق پر مبنی ہے - یہ کتاب ان لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نازل ہوتی ہے - جن میں سیدھے راستہ کی طلب موجود ہے جو اپنے پروردگار سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ تعالیٰ ان کو صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا فرمائے - یہ ہے درحقیقت اس سورہ مبارکہ کا پورے قرآن مجید کے ساتھ تعلق اور

ہمارے منتخب نصاب میں مباحث ایمان کے ذیل میں اس سورہ مبارکہ کے مطالعہ سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ ایمان و معرفت الٰہی کے ضمن میں فطرتِ انسانی کہاں تک پہنچ سکتی ! انسان اپنی عقل کی رہنمائی میں کہاں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے ! یہ ہے وہ بات جسے علامہ اقبال نے کہا ؎

عقل گو آستاں سے دور نہیں — اسکی قسمت میں پر حضور نہیں

عقل آستان سے دور نہیں ہے اس کی رہنمائی میں انسان بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے وہ فطرت صحیحہ اور عقل سلیمہ کی رہنمائی میں معرفتِ ربانی بھی حاصل کر سکتا ہے ۔ معاد کا اجمالی علم بھی اُسے حاصل ہو سکتا ہے ۔ لیکن جہاں وہ محتاج ہے وہ درحقیقت وہ ہدایت و رہنمائی ہے جو اُسے اپنی زندگی کے گوناگوں اور مختلف پہلوؤں میں ہر ہر لحظہ اور ہر ہر قدم پر عمل کے لئے درکار ہے ۔ اس ہدایت کے لئے وہ وحی آسمانی کا بالکلیہ محتاج ہے اسی کے لئے اس کی فطرت پکارتی ہے استدعا کرتی ہے ۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔ اس فطرت کی پکار کا جواب ہے ۔ پورا قرآن مجید۔ اللہ تعالےٰ ہمیں بھی صراطِ مستقیم ۔ کی ہدایت اور اس پر استقامت کی توفیق عطا فرمائے ۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط

توجّہ فرمائیے !
خط و کتابت کرتے وقت ،
براہِ کرم خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں

توحید فی العلم یا توحید فی المعرفہ اور
توحید فی العمل یا توحید فی الطلب کا

فریضۂ اقامتِ دین

سے ربط و تعلق

ڈاکٹر اسرار احمد

کے خطاب و درس کی تیسری قسط

•

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ
وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَ
لَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ؕ کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ ؕ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ
اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْ
بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا بَیْنَھُمْ ؕ وَلَوْلَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ
اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی لَّقُضِیَ بَیْنَھُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْ
بَعْدِھِمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ مُرِیْبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذٰلِکَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ ۚ
وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ
لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ؕ اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ ؕ لَا

حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۖ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿١٥﴾ وَالَّذِينَ
يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ
رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿١٦﴾ اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ
الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ ۗ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ﴿١٧﴾
يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ
مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ ۗ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ
لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿١٨﴾ اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَهُوَ
الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿١٩﴾ مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۖ
وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ
نَصِيبٍ ﴿٢٠﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ
اللَّهُ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۗ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢١﴾

حضرات و خواتین! کل ہمارا زیادہ وقت بعض تمہیدی باتوں کے بیان پر صرف ہوا۔ جن میں یہ امور شامل تھے کہ مکیات و مدنیات کس ترتیب سے مصحف میں آئی ہیں اور ان کے چھ بڑے بڑے گروپ کون سے ہیں! مکیات کے مشترک مضامین و موضوعات کیا ہیں! پھر ان گروپوں کے جو بنیادی و مرکزی مضامین ہیں۔ ان کے جو عمود ہیں ان میں کیا فرق ہے! ان میں باہمی نظم اور ربط و تعلق کیا ہے! پھر خاص طور پر چار سورتوں، سورہ زمر، سورہ مومن، سورہ حٰمٓ السجدہ اور سورہ شوریٰ میں وہ کون سا اہم مضمون ہے جو تدریجاً ترقی کرتا ہوا سورہ شوریٰ میں اپنے عروج کو پہنچا ہے ـــــ علاوہ ازیں میں نے سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ کے ایک حصّہ کی کچھ تشریح و توضیح بھی بیان کی تھی۔ اس ضمن میں اس افسوسناک صورت حال کا بھی ذکر کیا تھا جس سے ہم اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے فی الواقع دوچار ہیں۔

صحیح معنوں میں آج باقاعدہ درس کا آغاز ہو رہا ہے۔ آج ہم کوشش کریں گے کہ ان نو آیات کا مطالعہ مکمل کرلیں جن کی آغاز میں، میں نے تلاوت کی ہے۔ ارادہ ہمارا ہے لیکن اس کے پورے ہونے

کا اللہ تعالیٰ کی توفیق پر دار و مدار ہے۔ مصحف میں آپ دیکھیں گے کہ ان نو آیات میں سے تین آیات حجم کے اعتبار سے نسبتاً بڑی بھی ہیں اور جب مطالعہ شروع ہوگا تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ مضامین کے اعتبار سے بھی ان تین آیات کی بڑی اہمیت ہے۔ بلکہ جیسا کہ میں نے کل عرض کیا تھا کہ اقامتِ دین کے موضوع پر یہ قرآن مجید کا ذروۂ سنام ہے، CLIMAX ہے، چوٹی ہے۔ اب ہم اللہ کے نام سے درس کا آغاز کرتے ہیں۔ جن حضرات کے سامنے مصحف موجود ہیں وہ متن پر اپنی نگاہوں اور ذہنوں کو مرتکز فرمائیں۔ چونکہ اتنے بڑے مجمع میں ہر شخص کے سامنے مصحف ہونا ممکن نہیں ہے لہٰذا زیر درس حصہ کی فوٹوسٹیٹ جملہ حاضرین میں تقسیم کرا دی گئی ہے تاکہ Text ان کے سامنے بھی رہے۔ اس لئے کہ درس اس کے بغیر نہیں ہوتا۔ اس کے بغیر تقریر ہوتی ہے۔ وعظ ہوتا ہے۔ درس کے لئے متن کا سامنے ہونا ضروری ہے تاکہ قرآن مجید کے جو الفاظ مبارکہ ہیں، جو درحقیقت کلام اللہ ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہمارا ذہنی تعلق قائم ہوتا چلا جائے۔ چونکہ کسی شے کو ذہن میں مستحضر اور یاد رکھنے کے لئے الفاظ کے ساتھ ——— Mental Association بنیاد بنتی ہے۔

آغاز ہوتا ہے: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ سے۔ میں کل یہ عرض کر چکا ہوں کہ "لَكُمْ" میں خطاب کی جو ضمیر ہے یعنی کن سے بات کی جا رہی ہے! مخاطب کون ہیں؟ تو خطاب ہے امتِ محمد علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام سے۔ میں نے کل اس بات کی بھی وضاحت کر دی تھی کہ پوری نوعِ انسانی امتِ محمد ہے۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ فرق یہ ہے کہ جو لوگ آپؐ کی تصدیق کرتے ہیں، آپ پر ایمان رکھتے ہیں، آپؐ کو اللہ کا آخری نبی و رسول مانتے ہیں۔ خود کو آپؐ کی ذاتِ اقدس سے منسوب کرتے ہیں وہ امتِ اجابت ہیں اور باقی تمام انسان امتِ دعوت ہیں۔ نبی اکرمؐ کی بعثت ہوئی ہے پوری نوعِ انسانی کے لئے۔ حضورؐ کی بعثت سے لے کر تا قیامِ قیامت جتنے بھی انسان اس دنیا میں آئیں گے وہ سب آپؐ کی امتِ دعوت میں شامل ہیں۔ لہٰذا فرمایا: شَرَعَ لَكُمْ: اب میں بغرضِ تفہیم اس کی ترجمانی یوں کروں گا کہ "اے امتِ محمد! علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام۔" مِنَ الدِّيْنِ: تمہارے لئے دین میں سے یا از قسم دین یا از جنس دین یا دین کے ضمن میں۔ یہاں آگے بڑھنے سے قبل لفظ شَرَعَ کے معنی سمجھ لیجئے! "شَرَعَ" کے معنی ہیں 'کسی چیز کو مقرر کر دینا'۔ ہمارے یہاں عام طور پر استعمال ہوتا ہے 'یہ شارع عام' نہیں ہے۔ یا سڑکوں کے نام 'شارع' کے ساتھ رکھے جانے لگے ہیں۔ جیسے 'شارع فیصل'، راستہ اور سڑک چلنے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے۔ اس لئے شارع کہلاتا ہے۔ تو کسی چیز کا تعین اور مقرر ہو جانا لفظِ شَرَعَ کا اصل مفہوم ہے۔

اب میں متن، ترجمہ اور مختصر تشریح ساتھ ساتھ بیان کرتا چلا جاؤں گا۔ فرمایا شَرَعَ لَكُمْ

مِّنَ الدِّیْنِ ' مقرر کیا تمہارے لئے دین میں سے ' مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ' وہی کچھ جس کی وصیت کی تھی (اللہ نے) نوح (علیہ السلام) کو اور جس کی وحی کی ہم نے (اے محمدؐ) آپ کی طرف '۔ یہاں خطاب میں واحد کا صیغہ آ گیا۔ اِلَیْکَ ' مراد ہیں شخصاً جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی۔ ' اور جس کی ہم نے وصیت کی تھی ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو '۔ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ــــ کل میں نے عرض کیا تھا کہ ان پانچ رسولوں کا ذکر یہاں آیا ہے اکثر محققین کے نزدیک یہی پانچ رسول اولوالعزم من الرسل ہیں۔ ان میں اولین ہیں حضرت نوح علیہ السلام اور آخری ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ درمیان میں حضرت ابراہیم پھر حضرت موسیٰ پھر حضرت عیسیٰ علیہم السلام۔ یہاں پہلے اوّل و آخر کا ذکر آ گیا پھر زمانی ترتیب کے ساتھ تین رسولوں کا۔ اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ' کہ قائم کرو دین کو یا قائم رکھو دین کو ' یہ دونوں ترجمے ہوں گے۔ دین قائم ہو تو اسے قائم رکھو۔ قائم نہ ہو تو اس کو قائم کرو۔

اقامتِ دین کا حکم

اَقِیْمُوْا کا لفظ اَقَامَ ' یُقِیْمُ ' اِقَامَۃً (مصدر) سے فعل امر جمع مذکر مخاطب ہے باب افعال سے معنی ہوں گے کسی چیز کو کھڑا کرنا یا کھڑا رکھنا۔ تفہیم کے لئے اگر خیمہ پر قیاس کریں تو اگر خیمہ کھڑا ہے تو کھڑا رکھا جائے گا اور اگر گر گیا ہے تو اسے کھڑا کیا جائے گا ــــ کھڑا ہے اور آندھی آ رہی ہے طوفان آ رہا ہے۔ تو اسے کھڑا رکھنے کا اہتمام ہوگا۔ کھونٹے مضبوط ہوں، رسّوں کو بعض اوقات مضبوطی سے تھام کر رکھنا پڑتا ہے کہ کہیں خیمہ نہ گر جائے۔ پس خیمہ کھڑا ہے تو اُسے کھڑا رکھو۔ اور اگر گر گیا ہے تو کھڑا کرو۔ تو یہ دونوں مفہوم اَقِیْمُوْا کے فعل امر میں شامل ہیں یہ دونوں مفہوم اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ تراجم میں اگر یہ لفظی فرق آپ کو نظر آئے تو اس کی وجہ سے پریشان نہ ہو جائیں کہ ترجمہ کھڑا رکھو درست ہے یا کھڑا کرو درست ہے ــــ دونوں ترجمے درست ہیں ــــ دونوں مفاہیم اَقِیْمُوا الدِّیْنَ میں موجود ہیں۔ دین کو قائم رکھو یا قائم کرو '۔

قابلِ غور مقام

آیت کے اس حصہ کے آخر میں فرمایا: وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ' اور اس کے بارے میں کسی تفرقہ میں مبتلا نہ ہو جانا '۔ ــــ یہاں فِیْہِ کا لفظ بہت اہم ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھنا ہوگا۔ اس مقصد کے لئے ' لفظ دین ' کو ایک مرتبہ پھر اچھی طرح جان لیجئے کہ ' دین ' کس کو کہتے ہیں! پھر میں عرض کروں گا کہ دین میں تفرقہ

کے معانی کیا ہوں گے! کل میں نے دین اور تفرقہ کی تشریح میں کچھ عرض کیا تھا لیکن چونکہ اس سورۂ مبارکہ کا یہ عمود اور مرکزی مضمون ہے لہٰذا ہمیں ایک بار پھر ان کو اچھی طرح سمجھنا اور ذہن نشین کرنا ضروری ہو گا۔

لفظِ دین کی مزید تشریح عربی زبان میں دین کا لفظ بنا ہے دَانَ یَدِیْنُ سے۔ اس کے بنیادی معنی ہیں بدلہ اور جزا و سزا۔ جیسے سورۂ فاتحہ میں فرمایا: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ "بدلے یا جزا و سزا کے دن کا مالک"۔ سورۂ ماعون میں فرمایا: اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ "کیا تم نے دیکھا اس شخص کو جو (آخرت کے) بدلہ اور جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے"۔ سورۂ انفطار میں فرمایا: كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ "ہرگز نہیں بلکہ (تمہارے اعراض کی اصل وجہ یہ ہے کہ) تم بدلہ اور جزا و سزا (کے دن) کو جھٹلاتے ہو"۔ قرآن مجید کی ان تین آیات کے حوالے سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ ان میں 'دین' کے معنی بدلہ اور جزا و سزا کے ہیں۔ یہ اس لفظ کا بنیادی مفہوم ہے۔ اسی معنی میں لفظِ 'دَین' آتا ہے۔ جس کے معنی قرض کے ہیں۔ آپ کسی کو کوئی چیز ہبہ کر دیں تو وہ واپس نہیں لی جاتی۔ وہ ہدیہ ہے عطیہ ہے۔ دَین کیا ہوتا ہے! آپ نے کسی کو قرض دیا۔ اب اسے آپ نے واپس لینا ہے۔ دَین اور دِین میں حروف کا فرق نہیں ہے۔ دونوں میں د، ی، ن استعمال ہوئے ہیں۔ فرق پہلے حرف د پر زبر اور زیر کا ہے۔ حروف اصلی ایک ہی ہیں۔ ہبہ، ہدیہ، عطیہ۔ آپ اسے جو بھی کہیں وہ واپس نہیں ملتا جبکہ اس کے بالمقابل دَین واپس ملتا ہے۔ لہٰذا جزا و سزا عمل کا واپس آنا ہے۔ نیکی کی ہے بدلہ ملے گا جزا کی صورت میں۔ یہ اس عمل کا Re - bound ہے۔ اس کا واپس آجانا ہے۔ بدی کی ہے تو سزا کی شکل میں بدلہ ملے گا۔ یہ بھی اس برے عمل کا واپس آجانا ہے۔ پس دَین کے اندر بھی یہ بنیادی مفہوم موجود ہے۔ اس لفظ کا دوسرا بنیادی مفہوم ہے اطاعت[1]۔ اس کا تعلق بھی بدلہ اور جزا و سزا سے قائم رہتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جزا و سزا کسی قانون کے تحت ہی دی جاتی ہے۔ جنگل کا قانون ہو تو دوسری بات ہے لیکن مہذب اور متمدن معاشرے میں جزا و سزا کسی قانون کو مستلزم ہے۔ قانون کے مطابق کام ہو رہا ہو تو جزا ملے۔ تحسین ملے۔ اگر اس کے خلاف کام ہو رہا ہو تو سزا اور نفرین ملے۔ پھر اس کے ساتھ کسی ایسی ہستی کا تصور لازماً ہو گا جو قانون دینے والی ہو۔ جس کی اطاعت کی جائے

---

[1] مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ اور مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کے محترم ڈاکٹر صاحب موصوف کے خطاب میں جو حوالہ جات آئے تھے ان میں "لفظِ دین" اطاعت ہی کے معنوں میں آیا ہے۔ (مرتب)

توجزا ملے اور اس کی نافرمانی کیجائے تو سزا ملے ــــ لفظ دین کے یہ بنیادی مفاہیم ہیں۔ فند زمانی کا ایک مصرع ہے۔ دِنَّاهُمْ كَمَا دَانُوا " جیسا انہوں نے ہمارے ساتھ کیا تھا اس کا ہم نے بھرپور بدلہ لے لیا"۔ عربی کا ایک مقولہ ہے: كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ اس کے معنی بالکل وہی ہیں جو اردو کے اس محاورے کے ہیں "جیسا کروگے ویسا بھروگے" ہندی میں اسے 'کرنی کا پھل' کہا جاتا ہے ــــ ان بنیادی مفاہیم کی توضیحات سے یہ بات ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ "دین" کے اساسی معنی ہوئے 'بدلہ' ــــ جزا و سزا کی شکل میں کسی قانون اور ضابطہ کے تحت اور کوئی ہستی جو قانون دینے والی ہو جس کی اطاعت ہو تو جزا ملے نافرمانی ہو تو سزا ملے۔

قرآنی اصطلاحات

یہ بات تو ہم سب کو معلوم ہے کہ عربی زبان تو نزولِ قرآن حکیم سے پہلے موجود تھی۔ اسی عربیٔ مبین میں قرآن نازل ہوا۔ پس عربی ہی کے الفاظ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کے لئے چن لیا اور معتدبہ الفاظ کے مفاہیم و معانی میں وسعت دے کر اصطلاحات کی شکل عطا فرما دی۔ جیسے لفظ صلوٰۃ پہلے بھی تھا۔ زکوٰۃ پہلے بھی تھا۔ صوم پہلے بھی تھا۔ لیکن جب ان الفاظ نے قرآنی اصطلاحات کی شکل اختیار کی تو اب ان الفاظ کو جب اصطلاحًا بولا جائے گا تو اس کے معنی و مفہوم وہی پیشِ نظر رہیں گے جو قرآن مجید میں اصطلاحات کی صورت میں ان میں شامل کئے گئے ہیں۔ اسی طرح لفظ "دین" کو قرآن مجید نے اپنی ایک اہم اصطلاح بنایا۔ اب یہ اصطلاح کیا بنی؟ وہ یہ کہ:

"کسی ہستی کو مطاعِ مطلق مان کر اس کی کامل اطاعت کے اصول پر جو نظام زندگی بنے گا وہ اس ہستی کا دین قرار پائے گا"۔

غور سے سماعت فرمایئے کہ جہاں بھی کوئی نظام ہوگا وہاں پہلے یہ طے ہوگا کہ کون ہے مطاعِ مطلق؟ اور مختارِ مطلق! کون ہے اصل قانون ساز! کون ہے حقیقی مقنّن۔ یہ طے ہو جانے کے بعد اس کی اطاعت کے اصول پر پورا نظام بنے گا اور قوانین مدوّن ہوں گے۔ اس کے جو احکام ہونگے ان ہی کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی کے معاملات چلائے جائیں گے۔ اس طرح جو نظام بنے گا وہ اس ہستی کا دین ہوگا۔

دین الملک

مثال دے دوں کل کی تقریر میں اجمالاً میں اس کو بیان کر چکا ہوں ــ بادشاہی نظام کیا ہے! بادشاہ SOVEREIGN ہے۔ حاکمیت اس کی ہے اس کی زبان سے نکلا ہوا لفظ قانون ہے۔ لہٰذا اس اصول پر جو نظام بنے گا اسے کہیں گے دینُ الملِک۔ بادشاہ کا نظام۔ یہ لفظ قرآن مجید میں سورۂ یوسف میں آیا ہے، اس موقع پر جب حضرت یوسف

علیہ السلام اپنے بھائی بن یامین کو روکنا چاہتے تھے لیکن وہاں بادشاہی قانون نافذ و رائج تھا ـــ حضرت یوسفؑ مصر کے بادشاہ نہیں تھے۔ بعض لوگوں کو مغالطہ ہو گیا ہے۔ بلکہ اس حکومت میں بہت بڑے عہدے پر تھے۔ وزیر خوراک کہہ لیں، وزیر خزانہ کہہ لیں۔ خود حضرت یوسفؑ نے بادشاہ سے کہا تھا کہ: قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝۵۵ (یوسفؑ نے کہا ملک کے خزانے میرے سپرد کر دو، میں انتظام کروں گا۔ بندوبست کروں گا (اس قحط کے حالات کا جو بادشاہ وقت کو ایک خواب کی صورت میں دکھایا گیا تھا جس کی صحیح تعبیر حضرت یوسفؑ نے کی تھی) میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں"۔ تو معلوم ہوا کہ آنحضرتؑ ایک بہت بڑے عہدیدار تھے۔ چیف سیکرٹری کہہ لیجیے لیکن بادشاہ تو نہیں تھے۔ بادشاہ وقت کے خواب کی تعبیر بتا کر تو آپؑ جیل خانے سے رہا ہوئے تھے۔ چنانچہ وہاں شاہی نظام تھا۔ اس کی رو سے بلا کسی سبب کے کسی باہر کے شخص، کسی غیر ملکی (FOREIGNER) کو روکنا ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا ایک خاص شکل اللہ تبارک و تعالیٰ نے پیدا فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ

(سورہ یوسف جز آیت ۷۶)

"اس طرح ہم نے یوسف کے لئے تدبیر فرمائی (ان کے لئے اپنے بھائی کو روکنے کے لئے ایک سبب پیدا فرما دیا) اُس (یوسف) کے لئے بادشاہ کے دین (یعنی مصر کے شاہی قانون) کے تحت اپنے بھائی کو پکڑنا ممکن نہ تھا۔ الّا یہ کہ اللہ ہی نے ایسا چاہا ہو"

قرآن کے حوالے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بادشاہی نظام کو بھی قرآن "دین" کہتا ہے اور یہ کہلاتا ہے "دین الملک"

دینِ جمہوریت موجودہ دور میں جمہوریت کی جس نیلم پری کی دنیا دیوانی ہے، کل کی تقریر میں اس پر میں مفصل اظہار خیال کر چکا ہوں۔ آج پھر اس کا اعادہ کر رہا ہوں۔ دیکھئے دین الملک اور دین اللہ تو قرآنی اصطلاحات ہیں۔ البتہ دین جمہور کی اصطلاح ہمیں قرآن و حدیث میں نہیں ملتی۔ چونکہ اس وقت جمہوریت کا زمانہ نہیں تھا۔ اس کا تصوّر موجود نہیں تھا لہٰذا کتاب و سنّت میں دین جمہور کی اصطلاح کیسے آتی۔! اس لئے کہ جو چیز عوام کے ذہن اور ادراک میں ہے ہی نہیں، جس کا چلن تو چلن تصوّر تک موجود نہیں ہے اس کو قرآن و حدیث میں لا کر لوگوں کے ذہن پر بوجھ نہیں ڈالا گیا ہے۔ البتہ دو انتہائیں بیان فرما دیں۔ دین الملک اور دین اللہ۔ اب اس کے درمیان آپ خود خانہ پُری کریں۔ ایں قدر گفتیم باقی فکر کن کے مصداق آپ خود Fill up the

mandate کریں۔ آپ کو اوّل و آخر بتا دیا گیا۔ درمیانی کام آپ خود کیجئے۔ نظام جمہوریت کے اصول و مبادی چونکہ وہی ہیں جو دین الملک اور دین اللہ کے ہیں تو ان پہ قیاس کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ جمہوریت فی الواقع ایک دین ہے۔

ہوا یہ ہے کہ جب مذہب کو انسان کی زندگی کا محض ایک نجی (Private) معاملہ بنا دیا گیا اور ملوکیت کا دور قریباً ختم ہوا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ نظام کے لئے انسانی ذہن کوئی راہ تلاش کرے اور کوئی اصول وضع کرے۔ لہٰذا طے کیا گیا کہ ہر ملک کے رہنے والے اپنے ملک میں SOVEREIGN ہیں۔ حاکمیت جمہور کی ہے، عوام کی ہے۔ قانون سازی اور نظام کی ہئیت، اس کے اصول و مبادی طے کرنے کا اختیار بالکلیہ عوام کو حاصل ہے۔ ان کے منتخب کردہ نمائندے پارلیمان یا اسمبلی میں کثرت رائے سے ہر نوع کا قانون بنانے کے مجاز و مختارِ کُل ہیں۔ ان کے لئے کسی آسمانی شریعت و ہدایت اور کسی اخلاقی قدر کی پابندی کی ضرورت نہیں۔ ان کے نزدیک فیصلہ کن اور حتمی و قطعی بات اپنے عوام کی پسند و ناپسند ہے۔ عوام کا منتخب ایوان مجاز ہے کہ اکیاون فیصد اکثریت سے جو چاہے قانون بنائے وہ لواطت جیسے مکروہ فعل کو بھی جائز قرار دیدے، وہ چاہے تو طے کر دے کہ دو مرد بھی شوہر اور بیوی کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں۔ ان کا یہ فعل قانونی طور پہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا قرار پائے گا۔

یہ محض خیالی و نظری بات نہیں ہے۔ برطانیہ کی پارلیمنٹ یہ سب کچھ طے کر چکی ہے۔ اس کریہہ فعل کو وہاں قانونی تحفظ حاصل ہے۔ پارلیمان چاہے تو شارع عام پہ، پارکوں میں، کلبوں میں، ڈراموں میں، اسٹیج پہ جنسی فعل اور اختلاط کو جائز قرار دے دے جیسا کہ یورپ کے اکثر ممالک اور امریکہ کی اکثر ریاستوں میں اس فحاشی پر کوئی قدغن نہیں۔ بلکہ اس شیطانی فعل کو قانون کا تحفظ حاصل ہے ــــ وہ چاہے تو شراب نوشی، قمار بازی، سٹہ، لاٹری اور اسی قبیل کے منکرات کو تفریح یا ضرورت کا مقام دے کر قانونی طور پہ جائز قرار دیدے جیسا کہ دنیا کے اکثر ممالک میں عملاً یہ ہو رہا ہے۔ یہ ہے اصل جمہوریت جس میں جمہور کے نمائندوں کو قانون سازی کے لامحدود اختیارات حاصل ہیں۔ ان پر کوئی تحدید (Limitation) نہیں ہے۔ چونکہ جمہوریت میں اصل حاکمیت (Sovereignty) عوام کی ہے اور اسمبلی ان عوام کی نمائندگی کرتی ہے ــــ اسلامی جمہوریہ کی بات چھوڑ دیجئے۔ اوّل تو فی الوقت صحیح معنوں میں یہ کہیں قائم ہی نہیں۔ اگر ہو گی تو ظاہر بات ہے کہ اس میں Legislative Assembly یا پارلیمنٹ کو اس محدود دائرہ میں قانون سازی کا اختیار حاصل ہو گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے ان کے لئے چھوڑ رکھا ہے۔ اس میں بھی وہ شریعت کے کسی حکم سے نہ تجاوز کر سکتے ہیں نہ اعراض ــــ اسے لامحدود (Un - Limited) اختیارات کسی طور پر حاصل نہیں ہوں گے۔

قسط ۵

شِرک اور اِقسامِ شِرک

شرک فی الصفات (۴)

از: ڈاکٹر اسرار احمد

دَورِ حاضر کا ہمہ گیر شرک شیطان کے اغوا اور فریب نے جب سے انسان کو شرک میں مبتلا کیا ہے اس وقت سے شرک نے ایک طرح کے وبائی اور چھوت کے مرض کی صورت اختیار کر رکھی ہے۔ دورِ جدید میں جن انواع و اقسام کے شرک موجود ہیں۔ وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل نئے نہیں ہیں بلکہ یہ وہی ہیں جو زمانۂ قدیم سے چلے آ رہے ہیں یہ مشرکانہ نظریات و عقائد زمانے کے مطابق مختلف روپ اور بھیس بدلتے رہتے ہیں۔ پُرانی شراب نئی بوتلوں میں نئے لیبلوں کے ساتھ پیش کی جاتی ہے اور مختلف مذاہب میں یہ مختلف روپ دھار لیتے ہیں (SHADES)۔ مثلاً اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) ایک نوع کے شرک میں مبتلا ہیں، تو فلسفیانہ مذاہب دوسری نوع کے۔ وہ لوگ بھی جو کسی خالق کو مانتے ہیں تو اُس طرح نہیں مانتے، (CREATER) جیسا کہ اس کو ماننے کا حق ہے بلکہ وہ اُسے محرکِ اول، اور علت العلل کی حیثیت سے مانتے ہیں۔ جو اس کائنات کی تخلیق کے بعد اس سے بے تعلق ہو گیا ہے اور اب یہ کائنات قوانینِ طبعی (PHYSICAL LAWS) کے تحت آپ سے آپ رواں دواں ہے۔ پھر یہ کہ فکرِ جدید نے اشیاء اور مادہ کی تاثیر و خاصیّت (PROPERTIES) کو بالفعل اس کا ذاتی اور مستقل وصف اور اس کو حقیقی (Real) تسلیم کیا ہوا ہے۔ جسے میں دَورِ جدید کے شرک سے تعبیر کرتا ہوں۔

مادّہ پرستی ہمارے تبلیغی بھائی کہا کرتے ہیں کہ "امرِ حاضر کی پہچان ضروری ہے"، لہٰذا میں بڑے اعتماد اور وثوق کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ

دورِ حاضر کا ہمہ گیر شرک یہی مادہ پرستی ہے جس میں غیر مسلم ہی نہیں بڑے بڑے مدعیان توحید مبتلا نظر آتے ہیں — یہ اور بات ہے کہ جدید ذہن مادہ پرستی کے لئے پوجا پاٹ اور پرستش کے جھنجٹ سے آزاد ہے۔ لیکن دورِ جدید کے نظریے کے مطابق مادّے کو حقیقی (REAL) مان لینا اور اس کی تاثیر، اس کے خواص اور اس کی صفات واوصاف کو بالذات تسلیم کرلینا اپنی روح کے اعتبار سے خالص مشرکانہ نظریہ ہے۔ اس کا واضح مطلب تو یہ ہوا کہ انسان نے مادّے کو اُسی مقام پر جا بٹھایا ہے، جہاں خدا کو ہونا چاہیئے۔ اس کے ذہن وقلب میں جو سنگھاسن خدا کے لئے تھا اس سے یا تو خدا کو بالکل بے دخل (DE-THRONE) کردیا گیا ہے اور وہاں بالکلیہ مادّے کو براجمان کردیا گیا ہے۔ بلا شرکتِ غیرے۔ جو الحاد ہے۔ یا پھر یہ کہ خدا بھی ہے لیکن ساتھ ہی مادّہ (MATTER) اور اس کی تاثیر، اور خواص واوصاف (PROPERTIES) کو بھی اسی تختِ خداوندی پر براجمان سمجھ لیا گیا ہے۔ جو سراسر شرک ہے۔ بدقسمتی سے آج مسلمانوں کی عظیم تر اکثریت بھی شعوری اور غیر شعوری طور پر اسی نوع کے شرک میں مبتلا ہے زبان سے ہم میں سے کوئی بھی اس نوع کے شرک کا مقرّ نہیں ہوگا لیکن ذہن و قلب کا بے لاگ تجزیہ کیا جائے تو ہمارا بھی حال کم وبیش یہی ہوگا کہ ہم مادّے اور اس کے خواص واثرات پر اور ذرائع ووسائل پر ذہنی طور پر اسی طرح یقین و توکّل اور اعتماد رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ہم کو صرف خدا پر رکھنا چاہیئے جو توحید کا تقاضا ہے۔

میں نے جو بات اس تقریر کے بالکل ابتدا میں عرض کی تھی اس کو تازہ کر لیجئے کہ ہمارا خدا سے جو ذہنی وقلبی اور عملی تعلق (ATTITUDE) ہونا چاہیئے اگر وہی تعلق کسی اور سے قائم ہوگیا تو یہی شرک ہے۔ اس موقع پر مجھے سورہ یوسف کی وہ آیت بھی پھر یاد آئی، جس میں دراصل مدعیانِ ایمان و توحید کے اسی نوع کے شرک کی طرف اشارہ بھی نکلتا ہے۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ	"اُن میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہیں
بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝	لیکن اس طرح کہ اس کے ساتھ
(آیت ۱۰۶)	دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔"

اب آئیے اس نوع کے شرک کو چند مثالوں سے سمجھنا چاہیئے۔

توکّل ہمارے دین میں لفظ "توکّل" کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں مختلف صیغوں میں مختلف مقامات پر کثرت کے ساتھ استعمال ہوا ہے، جن میں مسلمانوں کے لئے ابدی ہدایت و رہنمائی دی گئی ہے جس کو شرک سے اجتناب اور توحید پر ثبات کے لئے عروۃ الوثقیٰ کا مقام حاصل ہے۔ بات کو سمجھنے کے لئے چند آیات بطور مثال پیش کرتا ہوں۔ سورہ ہود میں فرمایا:۔

إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ ۚ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ
(سورہ ھود - ۵۶)

"میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی پیشانی (چوٹی) اس کے ہاتھ میں نہ ہو۔ بیشک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔"

سورہ ہود کی آیت نمبر ۸۸ میں فرمایا

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ○

"میرا تمام انحصار اللہ کی توفیق پر ہے۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کیا اور ہر معاملے میں اُسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔"

سورہ یوسف میں فرمایا:۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ○ (۶۷)

"اُس کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کیا اور جس کو بھی بھروسہ کرنا ہو اُسی پر بھروسہ کرے۔"

سورہ شوریٰ میں فرمایا

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ

"تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو اُس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے۔ وہی اللہ میرا رب ہے"

رَبِّیْ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ
وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ ٥ (١٠)

ہے اُسی پر میں نے توکل (بھروسہ) کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔"

سورہ توبہ میں فرمایا :-

قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ
اللّٰہُ لَنَا ج ھُوَ مَوْلٰنَا
وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ٥ (٥١)

" اُن سے کہہ دو " ہمیں ہرگز کوئی (برائی یا بھلائی) نہیں پہنچتی مگر وہ جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے اللہ ہی ہمارا مولیٰ ہے اور اہلِ ایمان کو اُسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ "

سورہ تغابن میں فرمایا :-

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ط
وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ٥ (١٣)

" اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ "

سورہ فرقان میں فرمایا :-

وَتَوَکَّلْ عَلَی الْحَیِّ
الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ
وَسَبِّحْ بِحَمْدِہٖ ط وَ
کَفٰی بِہٖ بِذُنُوْبِ
عِبَادِہٖ خَبِیْرًا ٥ (٥٨)

" (اے نبی) اُس خدا پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں اُسکی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اپنے بندوں کے گناہوں سے بس اُسی کا باخبر ہونا کافی ہے "

سورہ یونس میں فرمایا :-

وَقَالَ مُوْسٰی یٰقَوْمِ اِنْ کُنْتُمْ
اٰمَنْتُمْ بِاللّٰہِ فَعَلَیْہِ تَوَکَّلُوْٓا اِنْ
کُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ ٥ (٨٤)

" اور موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ لوگو اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اُسی پر بھروسہ کرو اگر تم مسلمان ہو۔ "

سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا :-

اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ٥

" ہوشیار میرے سوا کسی کو اپنا وکیل (کارساز) نہ بنانا "

سورہ المزمل میں فرمایا:۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝ آیت (۹)	"وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی اِلٰہ (معبود اور صاحب اختیار) نہیں ہے لہذا اسی کو اپنا وکیل (کارساز) بناؤ۔"

ان آیات کے مطالعے سے بادنیٰ تامل یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ "توکل" اس رویہ اور طرزِ عمل کو کہتے ہیں جس کا مفہوم "قلبی یقین و اعتماد ہے"۔ یعنی جس ہستی اور جس شے پر بھی ہمارا یہ بھروسہ ہوگیا کہ یہ ہماری حامی، دستگیر، پشت پناہ اور کارساز ہے۔ یہ ہمارے لئے از خود باعث نفع و نقصان ہے تو گویا اس ہستی یا شے کو ہم نے اپنا وکیل بنالیا اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی صریح خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے کہ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا "میرے سوا کسی اور کو اپنا وکیل نہ بنایا"

"توکّل" دراصل اس رویّے اور طرزِ عمل (ATTITUDE) اور نظریہ و خیال (IDEA) کو کہتے ہیں کہ جس کا مفہوم اعتماد اور بھروسہ (FAITH) ہے۔ اگر ہم کو پانی کے بارے میں یہ یقین ہے کہ پیاس بجھانے کی صفت اس کی ذاتی صفت ہے اور دائم و قائم رہنے والی ہے اور اسی نے میری پیاس بجھائی ہے تو اس نوع کا یقین شرک فی الصفات میں شمار ہوگا۔ اس کے برعکس اگر ہم یہ بات پورے وثوق کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں کہ پانی کی اپنی اور ذاتی کوئی تاثیر نہیں۔ اس کی تاثیر تابع ہے اذنِ ربّ کے ۔ پانی ہرگز پیاس نہیں بجھا سکتا جب تک اذنِ باری تعالیٰ نہ ہو تو یہ توحید ہے۔ ایک عارف باللہ کا قول ہے کہ" ہر لقمہ جو انسان کھاتا ہے۔ معدے میں پہنچنے سے پہلے اذن ربّ کا طالب ہوتا ہے کہ میں اس کھانے والے کے لئے غذا بنوں یا زہر" اسی طرح ہر چیز کی تاثیر اذنِ رب کے تابع ہوتی ہے۔ پانی پیاس نہیں بجھا سکتا، آگ نہیں جلا سکتی، غذا مفید نہیں ہوسکتی، دوا کوئی اثر نہیں کرسکتی، جب تک اذنِ رب نہ ہو۔ اس یقین و اعتماد کا نام توکل باللہ اور ایمان باللہ ہے۔ یہی توحید ہے اور اس کے خلاف ہر نظریہ باطل اور شرک ہے۔ اسی خیال کو علامہ اقبال نے یوں

بیان کیا ہے ؎

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی — مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

مادّی اشیاء کی تاثیر پر اعتماد اور مادّی اسباب وسائل پر بالکلیہ تکیہ اور بھروسہ دراصل اپنی روح کے اعتبار سے شرک ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ مادّی اسباب و وسائل، مال و اسباب اور ذرائع موجود ہیں تو بے فکری ہے دل کو مکمل اطمینان و سکون ہے اگر وہ حاصل نہیں یا ان میں کمی ہے تو دھڑکا لگا ہوا ہے، فکر ہے، بے چینی ہے۔ رات کا آرام اور دن کا چین اڑا ہوا ہے تو یہ نقد سزا ہے جو مادّی اسباب پر توکّل کی وجہ سے ہم کو اس دنیا میں ملتی ہے۔ حالانکہ ایمان کا لازمی نتیجہ "امن" یعنی اطمینان سکون ہے۔

بفحوائے آیت قرآنی۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ط	"جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے آلودہ نہیں کیا، وہ ہی لوگ ہیں جن کے لئے امن (سکون اطمینان) ہے اور وہی راہ یاب ہیں۔"
(الانعام ۸۲)	

حدیث میں آیا ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں جو لفظِ "ظلم" استعمال ہوا ہے، اس کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی یہ شرح و تفسیر فرمائی ہے کہ یہاں ظلم سے مراد "شرک" ہے اور اس کی تائید میں حضورؐ نے سورہ لقمان کی آیت ۱۳ کا یہ حصّہ پیش فرمایا ہے "اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ط"

حاصل کلام یہ ہے کہ مادّی اسباب وسائل اور مادّے کے خواص و اوصاف اور اس کی تاثیر پر اعتماد شرک فی التوکّل ہے۔ چونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ذاتِ باری تعالےٰ کو جو حقیقت نفس الامری میں اصل مسبب الاسباب ہے، اس کے مقام رفیع سے ہٹا کر اس کی جگہ مادّے کو براجمان کر دیا گیا۔ انسان کی یہ ذہنی و قلبی کیفیت توحید کی عین ضد، خدا سے محجوبی اور اپنی روح کے اعتبار سے شرک

ہے اور یہی دورِ جدید کا ہمہ گیر شرک ہے جس میں کھلے مشرک کافر ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے مدعیان توحید مبتلا نظر آتے ہیں۔ الاّ ما شاء اللہ۔

سورہ کہف سے استشہاد

اس بات کو مزید سمجھنے کے لئے میں آپ کے سامنے سورہ کہف کے پانچویں رکوع کی آیات ۳۲ تا ۴۴ پیش کرتا ہوں۔ جس کے ترجمہ کے بعد قدرے تشریح میں آگے بیان کروں گا۔ فرمایا:۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ	اور (اے نبیؐ) ان کو دو شخصوں
جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ	کی تمثیل سناؤ۔ ان میں سے
مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا	ایک کے لئے ہم نے انگوروں
بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا	کے دو باغ بنائے، ان کو کھجوروں
زَرْعًا ؕ۳۲ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ	کی قطار سے گھیرا اور ان کے
اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ	درمیان کھیتی کے قطعات بھی
مِّنْهُ شَيْئًا ۙ وَّفَجَّرْنَا	رکھے۔ دونوں باغ خوب پھل
خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۙ۳۳ وَّكَانَ لَهٗ	لائے، ان میں ذرا کمی نہیں کی
ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَ	اور ان کے بیچ بیچ میں ہم نے
هُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ	نہر بھی دوڑا دی اور اس کے
مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ	پھلوں کا موسم ہوا تو اس نے
نَفَرًا ؕ۳۴ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ	اپنے ساتھی سے بحث کرتے
وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ	ہوئے کہا "میں تم سے مال میں
قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ	بھی زیادہ ہوں اور تعداد کے
هٰذِهٖۤ اَبَدًا ۙ۳۵ وَّمَاۤ	لحاظ سے بھی زیادہ طاقتور
اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ	ہوں"۔ اور وہ اپنے باغ میں
وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ	اس حال میں داخل ہوا کہ وہ
لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا	اپنی جان پر آفت ڈھا رہا تھا۔
مُنْقَلَبًا ۳۶ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ	"اُس نے کہا کہ میں یہ گمان نہیں

وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ
بِالَّذِیْ خَلَقَكَ مِنْ
تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ
ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝۳۷
لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّیْ وَلَاۤ
اُشْرِكُ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا ۝۳۸
وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ
قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ
لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ
تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ
مَالًا وَّوَلَدًا ۝۳۹ فَعَسٰی
رَبِّیْۤ اَنْ یُّؤْتِیَنِ
خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ
یُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا
مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا
زَلَقًا ۝۴۰ اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا
غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ
طَلَبًا ۝۴۱ وَاُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ
فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ عَلٰی
مَاۤ اَنْفَقَ فِیْهَا وَهِیَ
خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا
وَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ
بِرَبِّیْۤ اَحَدًا ۝۴۲ وَلَمْ
تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ یَّنْصُرُوْنَهٗ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ

کرتا کہ یہ کبھی برباد ہو جائے گا اور
میں قیامت کے آنے کا بھی گمان
نہیں رکھتا اور اگر میں اپنے رب
کی طرف لوٹایا ہی گیا تو اس سے
بھی بہتر مرجع پاؤں گا۔ اس کے
ساتھی نے بحث کرتے ہوئے
کہا، کیا تم نے اس ذات کا انکار
کیا جس نے تم کو مٹی سے بنایا،
پھر پانی کی ایک بوند سے، پھر
تم کو ایک مرد بنا کر کھڑا کیا -
لیکن میرا رب تو وہی اللہ ہے
اور میں اپنے ربّ کا کسی کو شریک
نہیں ٹھہراتا - اور جب تم اپنے
باغ میں داخل ہوئے تو تم نے
یوں کیوں نہ کہا کہ یہ جو کچھ ہے
سب اللہ کا فضل ہے - اللہ کے
سوا کسی کو کوئی قوت و قدرت
حاصل نہیں - اگر تم مجھے مال و اولاد
کے اعتبار سے اپنے سے کم تر
دیکھتے ہو تو امید ہے کہ میرا رب
تمہارے باغ سے بہتر باغ مجھے دے
اور تمہارے باغ پر آسمان سے
کوئی ایسی آفت نازل کرے کہ
وہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے،
یا اس کا پانی نیچے اتر جائے اور تم

مُنْتَصِرًا ﴿٤٣﴾ هُنَالِكَ اس کو کسی طرح نہ پا سکو - اور
الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ط هُوَ اس کے پھلوں پر آفت آئی تو
خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾ جو کچھ اس نے اس پر خرچ کیا
تھا، اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر گر پڑا تھا - اور
وہ کہہ رہا تھا کہ اے کاش! میں نے کسی کو اپنے رب کا
شریک نہ بنایا ہوتا - اور اس کے پاس نہ تو کوئی جتھا تھا جو
خدا کے مقابلے میں اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود ہی اس آفت کا
مقابلہ کرنے والا بن سکا -''

ان آیات کی شرح کے ضمن میں پہلی بات تو یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ یہ محض تمثیل بھی ہو سکتی ہے اور کوئی حقیقی واقعہ بھی ہو سکتا ہے جو بطور تمثیل یہاں بیان کیا گیا ہے - جن مفسرین کی رائے میں یہ کسی حقیقی واقعہ کا بطور تمثیل بیان ہے - مجھے وہ رائے زیادہ اپیل کرتی ہے -

دوسری بات یہ نوٹ کیجئے کہ ان آیات میں جو شخص صاحب حیثیت اور باغات کا مالک تھا - اس کے اس اسباب دنیوی کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی ہے - '' ہم نے اس کے لئے دو باغ بنائے '' '' ان کو کھجوروں کے درختوں سے گھیرا ان میں نہر جاری کی '' - یعنی اس دنیا میں انسان کو جو کچھ ملتا ہے گو اس میں اس کی اپنی صلاحیت، محنت اور تدبیر بھی شامل ہوتی ہے، لیکن اس محنت و تدبیر کا کامیاب و بارآور ہونا خالصتاً مشیت باری تعالیٰ کے تابع ہوتا ہے چونکہ امر واقعہ یہی ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ط اور يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ط هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ط لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ہ '' لوگو! تم پر اللہ کے جو احسانات ہیں انہیں یاد رکھو - کیا اللہ کے سوا تمہارا کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ کوئی معبود اس کے سوا نہیں، آخر تم کیوں دھوکہ کھا رہے ہو'' - جب انسان اللہ سے غافل اور محجوب ہوتا ہے

تو وہ اس گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ جو مال و منال، ساز و سامان اور اسباب دنیوی میرے پاس ہیں، وہ میری ذاتی کوشش، محنت، تدبیر اور صلاحیت کا نتیجہ ہیں۔ اسی گھمنڈ میں قارون بھی مبتلا ہوا تھا اس کے پاس جو لاتعداد دولت تھی، اس کو وہ اپنی مساعی و تدابیر کا ثمرہ سمجھتا تھا۔ یہاں جس شخص کا ذکر ہے اس کے دماغ میں بھی یہی خنّاس سمایا ہوا تھا کہ جو نعمتیں مجھے حاصل ہیں، جن اسباب دنیوی کا میں مالک ہوں، وہ میری قابلیت و صلاحیت کا ثمرہ ہیں۔ اسی پندار کی وجہ سے وہ قیامت کے بارے میں تشکیک میں مبتلا اور اس مغالطے میں گرفتار رہا کہ اس کا مال و منال اور اس کی وجاہت و حیثیت اس کی ذاتی اور لازوال ہے۔

تیسری بات پر خصوصی توجہ دیجئے کہ اس کے ساتھی نے اس رویّے پر اس کے ساتھ جو محاورہ کہا اور بحث و تمحیص کی، وہ یہ ہے کہ یہ نظریہ اپنی روح کے اعتبار سے کفر ہے اور مال و اسبابِ دنیوی پر اس نوع کا اعتماد شرک ہے۔ اس مردِ مومن اور حق پرست نے کہا تو یہ کہا کہ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ۝ حالانکہ اُس مردِ متکبّر نے کسی بُت یا کسی غیر اللہ کے معبود ہونے کے متعلق کچھ نہیں کہا تھا۔

چوتھی بات جو اس تمام گفتگو کا حقیقی مآل ہے وہ یہ ہے کہ جب آفتِ سماوی نازل ہوئی اور بادِ سموم کا ایک جھونکا آیا، جس نے دیکھتے دیکھتے اس باغ کو جلا کر ویران کر دیا تو اس خدا فراموش نے کفِ افسوس ملتے ہوئے جو کہا وہ یہ ہے کہ وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ۝ "اے کاش! میں نے کسی کو اپنے ربّ کا شریک نہ ٹھہرایا ہوتا"۔ غور کا مقام ہے کہ وہ "کس نوع کے شرک" پر اظہارِ پشیمانی کر رہا ہے۔ اس پورے رکوع میں کسی دیوی یا دیوتا، کسی لات و منات و ہبل کا ذکر نہیں ہے۔ وہ شرک یہی شرک ہے کہ اس نے مادّی اسباب و وسائل اور اپنی وجاہت و حشمت کو اپنے ذہن و قلب میں اس سنگھاسن پر براجمان کیا تھا، جہاں خالصتہً صرف اللہ ہونا چاہیئے تھا۔ پس معلوم ہوا کہ مال و اسباب اور جاہ و حشمت کو اپنی قابلیت و صلاحیت اور اپنی کوشش و محنت کا ثمرہ و نتیجہ سمجھ لینا اور اپنے استحقاقِ ذاتی کا کرشمہ خیال کر لینا اور یہ سمجھ بیٹھنا کہ یہ چیزیں اس سے کوئی چھین نہیں سکتا۔ اور پھر ان چیزوں کو بذاتہٖ نفع بخش اور موثر سمجھ لینا۔ شرک ہے۔

اسی نوع کے شرک سے مردِ مومن و شاکر نے اظہارِ برأت کیا تھا اور اسی نوع کے شرک کے ارتکاب پر اس متکبر، ناشکرے اور خدا کی ربوبیت کے نظام سے محجوب شخص نے اظہارِ افسوس و ندامت کیا تھا۔ توحید تو یہ ہے کہ بندے کو جو نعمت بھی ملے جو اسباب و وسائل بھی اس کو حاصل ہوں جس وجاہت و حشمت سے وہ نوازا جائے وُہ ان سب کو خدا کا فضل و عطیہ سمجھے اور اشیاء کے خواص و اوصاف کو اذنِ ربّ کا تابع سمجھے اور یہ یقین رکھے کہ خدا جب چاہے اس نعمت کو چھین سکتا ہے اور جب چاہے وہ مادّی اشیاء کی تاثیر اور خواص کو سلب کر سکتا ہے۔ اس کا رویّہ یہ ہونا چاہیئے کہ ہر اُس نعمت پر جو اس کو حاصل ہے اور ہر شے کی اثرپذیری سے اس کی زبان پر ترانۂ شکر و سپاس جاری ہو۔ اور وہ کہے الحمدللہ۔ سُبحان اللہ۔ ماشآءاللہ۔ لا حول ولا قوۃ الّا باللہ۔ یہ فروتنی اور عجز و انکساری اور سپاس گذاری توحید کے مقتضیات کے لوازم میں شامل ہے۔ اس طرزِ عمل کے متعلق سورہ بنی اسرائیل کی دوسری آیت کے آخری حصّے کو پھر ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ؕ "میرے سوا کسی اور پر توکل نہ کرنا — ذاتِ باری تعالےٰ کے سوا کسی اور پہ توکّل ہے تو یہ شرک فی التوکّل ہوگا۔ وہ چاہے افراد ہوں، اشخاص ہوں، صاحب اقتدار و اختیار لوگ ہوں، مال و اسباب دنیوی ہو، اشیاء کے خواص اور اس کی تاثیر ہو۔ چاند اور سورج اور کواکب کی گردش اور کشش ہو موسموں کا تغیّر و تبدّل ہو۔ اگر ان میں سے کسی کے ساتھ بھی اعتماد اور بھروسے کا ذہنی و قلبی رشتہ قائم ہوگیا تو یہ شرک فی التوکّل ہے اور یہ دراصل فرع ہے شرک فی الصفات کی

مادّہ پرستی ہی کا یہ شاخسانہ ہے کہ آج کے دور کے مغرب کے فکر و فلسفے سے مرعوب تعلیم یافتہ انسان کے ذہن میں یہ بات راسخ ہے کہ یہ کائنات قوانینِ طبعی (PHYSICAL LAWS) کے تحت خود بخود رواں دواں ہے۔ اور یہ پورا کا پورا نظام ثقل (کشش) اور ردّ ثقل میں جکڑا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ مادّے ہی کا عمل اور ردّ عمل ہے جس کے باعث مختلف فزیکل اور کیمیکل تبدیلیاں واقع ہوتی رہی ہیں۔ اس فکر و نظریے کے حامل اذہان میں قرآن مجید کا یہ فیصلہ بیٹھتا ہی نہیں کہ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ " (وہ اللہ ہی ہے)

جو آسمان سے زمین تک دنیا کے نظام کی تدبیر کرتا ہے"۔ اور نہ ہی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ "آگاہ رہو اُسی (اللہ) کی خلق ہے اور اُسی کا امر (حکم ونظم وتدبیر) ہے۔ بڑا بابرکت ہے اللہ سارے جہانوں کا مالک اور پروردگار۔" ان کے ذہن میں اگر خدا کا تصوّر ہے بھی تو بس اتنا کہ کوئی ہستی کوئی قوت ایسی ہے جس نے اس کائنات کو پیدا تو کیا ہے لیکن اب اس کا اس کائنات اور اس کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی ہستی یا قوت کو وہ محرک اوّل اور علت العلل کی اصطلاحات سے موسوم کرتے ہیں جیسا کہ میں اشارتاً پہلے بھی عرض کر چکا۔

الغرض مادّہ پرستی ہی اس دور کا سب سے بڑا شرک ہے اور اس کے بارے میں میرا شدید احساس یہ ہے کہ خال خال وہ سعید لوگ ہوں گے جو ذہناً وقلباً اس نوع کے شرک سے محفوظ ہوں ۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ اگر کبھی فضا میں DUST SUSPENTION) ہو جائے تو شاید ہی کوئی شخص ہو جس کے پھیپھڑوں میں کچھ نہ کچھ گرد نہ پہنچ رہی ہو۔ لہٰذا میرے نقطۂ نظر سے موجودہ دور میں جس شرک نے غبار کی شکل میں پورے کرّہ ارض کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے وہ یہی شرک ہے۔ اور اس سے بچنا آسان نہیں اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ۔

عقلیت پرستی

اسی شرک فی الصّفات کے ضمن میں ایک اور مسئلے کو بھی سمجھ لیجئے۔ قرآن مجید نے جو توحید کی تلوار ایک مومن کے ہاتھ میں دی ہے، وہ ہر نوع کے شرک کو کاٹتی چلی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں اس سے پہلے بھی اور موجودہ دور میں بھی ایک اور گمراہی رہی ہے اور وہ ہے عقلیت قدیمہ اور عقلیت جدیدہ (RATIONALISM) اپنی اصل اور بنیاد کے لحاظ سے تو یہ مادّہ پرستی ہی کی فرع ہے۔ لیکن اس نے ایک دوسرا لبادہ اوڑھ رکھا ہے، جس کو عقلیت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کا ابتدائی حملہ اسلام اور مسلمانوں پر اُس وقت ہوا تھا جب یونان وایران کے فلسفوں اور ارسطو کی منطق سے ہمارے چند "دانشور" دورِ اموی کے اواخر میں متاثر ہوئے اور جو دورِ عباسی میں بڑی شدّت کے ساتھ اپنے عروج کو پہنچا۔

اسی کو میں نے عقلیّت قدیمہ سے تعبیر کیا ہے ۔ عقلیت جدیدہ کا حملہ اس دور میں اس وقت شروع ہوا جب مغرب کی عقلیّت (RATIONALISM) سے آگاہی حاصل ہوئی ۔ یہ عقلیّت اسلام پر نئے اسلوب اور نئے ہتھیاروں سے حملہ آور ہوئی اور برصغیر پاک و ہند میں اس کے اوّلین نشانہ بنے ۔ سرسید احمد خان مرحوم
اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے۔ پاک
و ہند میں اس عقلیّت کے پہلے پرچارک تھے ۔ اس عقلیت کی جڑ تو یہی مادّے کے خواص کو اٹل تسلیم کر لینا ہے اور یہ تسلیم کر لینا ہے کہ یہ خواص مادّے میں قائم و دائم ہیں اور یہ کبھی اس سے منفک نہیں ہو سکتے ۔ کوئی دوسری چیز ایسی نہیں ہے جو مادّے کی صفت کو اس سے زائل کر سکے ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ "معجزات" کا انکار کیا گیا اُس وقت بھی اور اِس وقت بھی ـ "معجزہ" کیا ہے، اس کو ایک دو مثالوں سے سمجھئے ۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا سمندر پہ مارتے ہیں اور سمندر پھٹ جاتا ہے ۔ پانی کی صفت تو یہ ہے کہ وہ اپنی سطح برقرار رکھتا ہے ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عصائے موسوی کی ضرب سے پانی اپنی صفت ترک کر دے ۔ ناممکن ۔ محالِ مطلق ۔ پانی اپنی صفت نہیں چھوڑ سکتا ۔ لہٰذا کوئی تاویل کیجئے ۔ اور وہ تاویل یہ ہے کہ بس مدّ و جزر کا کوئی معاملہ تھا ۔ جزر کے وقت حضرت موسیٰ نکل گئے ۔ مدّ کے وقت فرعون اور اس کا لشکر آیا اور وہ غرق ہو کر ہلاک ہو گیا ۔ گویا کہ اُس وقت کے فرعون اور اس کے حواریوں کو مدّ و جزر کا وہ علم ہی حاصل نہیں تھا ۔ جو ان لوگوں کو حاصل ہوا ہے، جو اس کی یہ تاویل کرتے ہیں ۔ حالانکہ قرآن مجید نے تو وہ الفاظ استعمال کئے ہیں، جس میں کسی تاویل کی سرے سے گنجائش ہی نہیں ہے ۔ فرمایا ۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ط فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ه (الشعراء آیت ۶۳)	"پس ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ مار اپنا عصا سمندر پر" ۔ یکایک سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہو گیا ۔"

غور کیجیے کہ قرآن تو یہ بتا رہا ہے کہ سمندر پھٹا اس شان سے کہ پانی دونوں اطراف میں چٹانوں کی مانند کھڑا ہو گیا اور درمیان میں راستہ بن گیا۔ دنیا آج تک مدّوجزر کی اس کیفیت سے ناواقف ہے جس میں پانی چٹان کی طرح کھڑا ہو گیا ہو۔ کسی تجربے اور مشاہدے میں یہ بات آج تک نہیں آئی۔ لیکن یہ تاویل کیوں کی گئی؟ اس کی بنیادی گمراہی کو سمجھئے، وہ یہی ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ پانی اپنی صفت کو ترک کر دے؟ یہ بات سائنٹیفک تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ مادّی قانون گویا اٹل ہے اس کو کوئی نہیں توڑ سکتا۔ پس اس طرح تو درحقیقت مادّے کو "خدا" کے مقام پر بٹھا دیا گیا۔ اگر یہ بات یقین کے درجے تک پہنچی ہوئی ہوتی کہ مادّہ مخلوق ہے اور اس کی ہر صفت خدا کی عطا کردہ ہے اور وہ اسی وقت تک رہے گی جب تک خدا چاہے گا۔ وہ حکم خداوندی کے تابع ہے۔ خدا جب چاہے گا مادّے کے خواص کو سلب کر لے گا اور جب چاہے گا لوٹا دے گا۔ اس لئے کہ کسی میں اس کا کوئی ذاتی وصف ہے ہی نہیں۔ ومیرا مجھ میں کچھ نہیں۔ جو کچھ ہے سو تو ہے۔ آگ میں حرارت اس کی ذاتی نہیں کہ وہ جلائے۔ گو عام قانون یہی ہے کہ آگ جلائے گی لیکن اللہ تعالےٰ جب چاہے گا اس سے اس کی یہ صفت سلب فرما لے گا۔ چنانچہ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کو اس نے نہیں جلایا۔ اس لئے نہیں جلایا کہ خدا کا حکم آ گیا تھا کہ "قُلْنَا يٰنَارُ كُونِي بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ه (الانبیاء ۶۹) "ہم نے کہا اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیمؑ پر" — اور آگ نے اس فرمان کی تعمیل کی اور وہ گل وگلزار بن گئی۔ اونٹنی سے اونٹ پیدا ہوتا ہے، اس کے لئے ایک قانون ہے وہ گابھن ہو گی۔ اس پر کچھ عرصہ گزرے گا۔ پھر وہ بچہ جنے گی۔ لیکن یہ کیا کہ ایک چٹان میں سے ایک گابھن اونٹنی برآمد ہو گئی اور اس نے بچھڑا جنا۔ یہ کیسے ممکن ہے! لہٰذا اس کی بھی کوئی سائنٹفک توجیہ کرنی پڑے گی۔ مرد اور عورت کے جنسی اختلاط سے بچہ رحم مادر میں قرار پایا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ اور جنسی اختلاط کے پیدا ہو گئے! اس کی بھی کوئی تاویل کرنی پڑے گی — یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے پرندے اپنی چونچوں میں چھوٹے چھوٹے سنگریزے لا کر برسائیں اور وہ ابرہہ

کے لشکر کو تہس نہس کر دیں ۔ محال مطلق ۔ لہذا اس کی بھی کوئی عقلی توجیہ کی جائے گی۔ یہ ہے عقلیت سے مرعوبی کا عالم —— لیکن اگر اللہ تعالیٰ کو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ تسلیم کیا جائے تو قرآن میں بیان کردہ کسی معجزے کی کسی تاویل کی سرے سے حاجت ہی نہیں —— اس کے برعکس اگر کسی لیے چارے خدا کو مانا ہے ۔ کسی ایسے خدا کو مانا ہے کہ جس کے ہاتھ اُسی کے بنائے ہوئے قوانین طبعی نے جکڑ دئے ہیں اور وہ ان میں تبدیلی نہیں کر سکتا تو ایسا عاجز "خدا"، قرآن کا بتایا ہوا خُدا نہیں ہے یہ ذہنوں کا تراشا ہوا کوئی خدا ہے ۔

شرک فی الصفات کی بحث کو میں یہاں ختم کرتا ہوں ۔ اب شرک فی الحقوق یا شرک فی العبادت کے موضوع پر گفتگو ہو گی ۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس سے قبل آپ شرک فی الصفات کے ضمن میں بطور اصول میں نے جو نکات بیان کئے تھے۔ ان کو ذہن میں پھر تازہ کر لیجئے ۔

میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے لئے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ، وہی الفاظ مخلوق کی صفات کے لئے بھی استعمال ہوئے ہیں لہذا ایک مغالطہ لازماً لاحق ہوتا ہے ۔ اس مغالطہ و التباس سے محفوظ رہنے کی صورت یہ ہے کہ تین مابہ الامتیاز امور و نکات ذہن میں مستحضر رہیں جن میں :۔

- پہلا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بھی اپنی ہے ۔ کسی اور نے اس کو وجود نہیں بخشا بلکہ وہ از خود موجود ہے ۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا ۔
- دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات بھی اس کی ذات کی طرح ذاتی ہیں کسی اور کی عطا کردہ نہیں ۔ اور وہ قدیم ہیں ۔ ہمیشہ سے قائم و دائم ہر لحاظ سے کامل و اکمل ۔ اور لازوال ولافانی اور ہر احتیاج اور ہر ضعف سے مبرّا اور منزّہ ہیں ۔
- تیسرا نکتہ یہ ہے کہ ماسوا یعنی ہر مخلوق کی ذات بھی عطائی ، وجود بھی عطائی اور اس کی صفات اوصاف ، خواص اور تاثیر بھی عطائی نیز ناقص ، محدود ، خارجی اسباب کی پابند اور اذنِ رب کی تابع ۔

یہ تینوں امور اگر ذہن و قلب پر نقش کالحجر کی طرح ثبت ہو جائیں تو یہی توحید ہے اس میں مغالطہ اور التباس ہو جائے تو وہ شرک فی الصفات ہو جائے گا (جاری)

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید: ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲۔ ایمپریس روڈ۔ لاہور

ولایت اور تقویٰ کا اصل تصوّرِ دینی

از : ملک اقبال واحد۔ فیصل آباد،

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

بُعد نبوّت سے جس طرح سے دین کی بیشتر اصطلاحات مظلوم ہو چکی ہیں، جیسے عبادت، جہاد فی سبیل اللہ، احسان، مراقبہ، ذکر و فکر کہ اُن کے معانی اور مفاہیم اپنے اصل معانی اور مفاہیم اپنے اصل مدلول سے بدل کر کچھ سے کچھ ہو چکے ہیں۔ اُن میں سے ایک اصطلاح ولایت و تقویٰ ہے۔ جو قرآن و سنت، ایمان و یقین کی ایک وسیع المعانی وسیع الاطراف اصطلاح ہے۔ تاریخ کے صدیوں کے خانقاہی تسلسل نے ولایت و تقویٰ کو ایک خاص مفہوم دے دیا ہے۔ جو عوام کے اذہان میں رچ بس گیا ہے۔ اُس کی صورت اس کا خاکہ اُس کا نقشہ اُن کے نزدیک یہ ہے۔ کہ ولی اور متقی ایک ایسا شخص ہے۔ جو عبوساً قمطریرا ہو۔ چہرہ خشک اور تلخ ہو لمبی تسبیح، غلیظ بوریہ، بوسیدہ حجرہ۔ میلا کچیلا اور بوسیدہ لباس بدمزہ طعام روکھی اور روکھی روٹیوں کے ٹکڑے، معاشرہ سے الگ تھلگ کسی قبر مشید کا مجاور بن کر بیٹھ جانا چلّہ کشیاں گنڈے اور تعویذ کا دھندا عرس اور میلے ہو حق کے نعرے وجد و حال سماع و قوالی پیری مریدی بے سروپا گفتگو رطب و یابس اقوال شطحیات کلغی والی لمبی ٹوپی گیروانہ یا سبز چوغے دم درود پھونکیں مارنا گرد و پیش حاجتیں پیش کرنے والوں کا ہجوم اور اس ہجوم میں بے سروپا حکائتیں اور روائتیں بیان کرنا۔ فرائض سے تساہل، نوافل کی کثرت، طہارت سے فرار اور گندگی سے پیار، یہ ہیں وہ معیارات جن پر عام طور پر جاہل تو جاہل لیکن بسا اوقات اچھے پڑھے لکھے لوگ ولایت اور تقویٰ کو ناپتے اور تولتے ہیں۔ حالانکہ قرآن و سنت میں دورِ رسالت میں دورِ خلافت میں دورِ تابعین میں دورِ تبع تابعین میں چودہ سو سالہ اہلِ علم و فضل

میں اس نوع کا تقویٰ اور اس نوع کی ولائت کا کوئی وجود نہیں تھا - اثبات مُدعا کے لئے قرآن کی سورہ یونس کی ایک ہی آیت کافی ہے - جس میں فرمایا گیا ہے۔ "یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے نہ کوئی حزن ہے - اور وہ اللہ کے دوست وہ ہیں جو ایمان لائے اور پارسائی اختیار کرتے ہیں - ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے دُنیا و آخرت میں تبشیر ہے - اور ایسے ہی لوگ ہیں جو فوز عظیم کے مالک ہیں" (۶۲ تا ۶۴) تقویٰ کا اصل مفہوم ڈرنا بچنا ہیں - لیکن یہ ڈرنا اور بچنا وہ نہیں ہے - جو آدمی کسی موذی جانور کو دیکھ کر بر بنائے دہشت ڈرتا ہے - یہ ڈرنا اور بچنا وہ ہے - کہ خالق کائنات خالق انس و جان کے خوف و خشیت سے انس و محبت سے عظمت و جلالت سے آدمی اُن نواہی سے بچے جو اس کے پروردگار کے نزدیک منکرات ہیں - اور ولائت یعنی دوستی یہ ہے - کہ اُن معروفات کو اختیار کرے جو اُسکی خوشنودی کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں - ظاہر ہے کہ معروفات میں سرفہرست جو شئے ہے - وہ مجاہدہ مع النفس ہے - خدا کے دین کی راہ میں جہاد بالمال ہے - جہاد بالنفس ہے - فرائض کا اہتمام شدت سے ہو کبائر سے اجتناب شدت سے ہو اور یہ سب کچھ کسی غار کوہ میں نہ ہو - معاشرہ کے درمیان بیچ میدان اُن کے ہو - گویا اس کی زندگی میں زندگی کے تمام تر امور و معاملات میں حاکمیت سرداری جہاں بانی کا کوئی مقام نہ ابلیس کے لیے ہو نہ شیطان کے لئے نہ الہ النفس کے لئے ہو نہ الہ سماج کے لئے ہو نہ الہ اقتدار کے لئے ہو وہ معاشرہ کا ایک مقید فرد ہو - بہ اعتبار سیرت معاشرہ میں ممتاز و نمایاں ہو - خدا کی اطاعت میں اللہ کی آیت عمرمیں پیکر اخلاص ہو پیکر محسوس ہو - مجاہدہ فی سبیل اللہ میں دعوت عزیمت کا کوہ ہمالیہ ہو - کلمۃ اللہ ھی العلیا کا کوہ طور ہو - حقوق عباد میں محبت و مروت رحم و کرم شفقت و ہمدردی عدل و انصاف امانت و دیانت صدق - راستی غرضیکہ اخلاق میں حسن اخلاق میں کردار میں حسن کردار میں معاملات میں سچا اور کھرا ایمان و یقین میں منبع و سرچشمہ ایمان و یقین علم و فضل میں عبقری اقامت دین اور اقامت حق کی جدوجہد میں اپنے اوقات اپنی تمام تر صلاحیتوں سے لے کر نقد جان ہتھیلی پہ لئے پھرتا ہو - اُس کی تمام تر تگ و تاز سرگرمیاں دلچسپیاں

بس اس مرکز اور محور سے وابستہ ہوں - کہ خدا کی زمین پر خدا کا دین سر بلند ہو غالب ہو متسلط ہو حکمران ہو اسی ایک مقصد کے لئے اسی ایک نصب العین کے لئے اسی ایک آدرش کے لئے وہ مرتا اور جیتا ہو -

دور رسالت میں دور صحابہ میں دور تابعین میں دور تبع تابعین میں بعد کے پندرہ صدیوں کے علم وفضل کے ادوار میں ولایت یہی تھی ولایت کا یہی مفہوم تھا - تقویٰ یہی تھا - تقویٰ کا انداز و مقام یہی تھا - کوئی امتیازی لباس نہیں تھا - کوئی امتیاز طرز بود و ماند نہیں تھی کوئی امتیازی شان نہیں تھی کوئی امتیازی کلام نہیں تھا - کوئی امتیازی عبادت نہیں تھی - کوئی تکیے اور زاویے نہیں تھے - کوئی قبور و مزارات کے مجاور نہیں تھے - کوئی جلسے جلوس میلے ٹھیلے عرس وجد و حال کی گرم بازاریاں نہیں تھیں - بس ان کی امتیازی شان یہی تھی - کہ ان میں سے ایک ایک فرد خدا کے دین کا دستگار تھا - دن کا شہسوار تو رات کا شب زندہ بیدار تھا - وہ سب کے سب معاشرے کے درمیان زندگی گذارتے تھے - ہنستے تھے بولتے تھے کام کرتے تھے - کاروبار کرتے تھے شادیاں کرتے تھے بیاہ کرتے تھے - اہل وعیال کی کفالت میں ذرائع معاش اختیار کرتے تھے اور فرصت کے لمحات میسر آجاتے تو اپنی محفلوں میں مزاح بھی کرتے تھے - شعر وسخن سے بھی لطف اندوز ہوتے تھے - تاہم خدا کی تابعداری دین کی اقامت میں ان کے قدم ایسے مضبوط کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہلائے جا سکیں تو ہل جائیں - ان کے قدم نہیں ہلائے جا سکتے تھے - اپنے فکر و نظر اپنے ایمان و یقین اپنے جہاد و قتال اپنے مشن اقامت دین اقامت حق میں وہ مضبوط چٹان جو مخالف تہذیب مخالف نظریات آئے - وہ اس چٹان سے اپنے سر پھوڑنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکے - ان کی پوری تاریخ دعوت عزیمت میں کوئی تعدی کوئی استہزاء کوئی تضحیک کوئی دھمکی کوئی خوف کوئی میدان حرب و ضرب کوئی حربہ ظلم و تشدد اثر انداز ہونا تو ایک طرف رہا پر چھائیں بھی نہیں ڈال سکا -

صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ امور خلافت کی انجام دہی کے ساتھ بے سہارا مستورات کا سودا سلف بازار سے خرید کر لاتے، برتن مانجھتے جھاڑو دیتے لشکر اسامہ رضہ

کو تبوک روانہ کرتے مرتدین کی سرکوبی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ امور خلافت کے ساتھ ساتھ بائیس لاکھ مربع میل علاقہ پر اسلام کا پرچم لہرا دیتے ہیں چند سالوں میں رومن امپائر اور پرشین امپائر ایسی سپر طاقتوں کا تختہ الٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ حقوق عباد اپنی رعایا کے حال میں بے چینی کا یہ حال ہے کہ عام الرماد کے قحط میں فاقوں پہ فاقے کرتے ہیں۔ کہ کھال جگہ جگہ سے پھٹ جاتی ہے۔ عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنی دور خلافت کی ذمہ داریوں کے ساتھ جان توڑ دیتے ہیں۔ لیکن عامۃ المسلمین کے درمیان خون ریزی کو پسند نہیں کرتے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ خلافت کی ذمہ داریوں کو نبھانے کے ساتھ ساتھ مساکین کے شرب و اکل کے لئے ملک بھر میں لنگر کھول دیتے ہیں۔ اور خود روٹی پانی میں بھگو کر کھاتے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز کا حال یہ ہے۔ کہ اپنے دور خلافت میں دور خلفائے راشدین کے عہد و ادوار کو زندہ کر دیتے ہیں۔ اپنا نور نظر بیت المال کے سیب کو منہ میں ڈال لیتا ہے۔ تو انگلی منہ میں ڈال کر سیب باہر نکالتے ہیں۔ کہ یہ عوام مسلمانوں کے بیت المال کا مال ہے۔ تابعین میں امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نفیس لباس پہنتے ہیں۔ نفیس کھانا کھاتے ہیں۔ کہ شوربہ عطر آمیز ہوتا ہے۔ باایں ہمہ خوف خدا کا یہ حال ہے۔ کہ ہر وقت خدا کے خوف سے آنکھیں اشک بار رہتی ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کپڑے کی تجارت کرتے ہیں کسی ایک تھان میں معمولی نقص واقع ہو جاتا ہے کارندوں کو فہمائش کرتے ہیں۔ کہ تھان کی فروخت پر گاہک کو نقص سے آگاہ کر دیا جائے۔ لیکن کارندوں سے سہو ہو جاتا ہے۔ آپ اس کی تلافی میں سینکڑوں تھان راہ خدا میں خیرات کر دیتے ہیں۔ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ تیل کی تجارت کرتے ہیں۔ کسی ایک تیل کے ڈرم میں چوہا گر کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ آپ احتیاط کے طور پر درجنوں تیل کے ڈرم نالیوں میں بہا دینے کا حکم دیتے ہیں یہ چند مثالیں ہیں ورنہ اسلامی تاریخ کے اوراق میں سے اس نوع کی مثالوں کو اگر اکٹھا کیا جائے تو تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو گی۔ کیا یہ سب لوگ ولی اور متقی نہیں تھے۔ اگر تم قوم کے اپنے روایتی پیمانوں میں ناپو تو شاید تم کو اس میں ایک بھی ولی

اور متقی نظر نہیں آئے گا - اس لئے ان کی زندگیاں اُن کی زندگیوں کے مشاغل ظروف واحوال وہ نہیں تھے جو کچھ کہ عجمی تصوف کے مارے ہوئے کونوں کھدروں میں ولایت کی لمبی چوڑی دوکانیں سجائے بیٹھے ہیں - اور جن کی ساری ولایت غلط سلط روایات بیہودہ اقوال شطحیات کے سہارے پر قائم ہے - میں حیران ہوتا ہوں - کہ جب لوگ اس پیمانے کو لے کر ایک مومن صادق مسلم کامل دعوت الحق کے مجاہد کو داعی حق کو داعی رجوع الی القرآن کی تحریک کے راہ نما کو ناپتے پھرتے ہیں جو بے شمار عزیمتوں کے پل طے کر کے خدمت دین خدمت حق کی وادی میں اپنے جان و مال کو ہتھیلی پر لے کر پہنچے ہے - اور جس نے اپنی پوری زندگی کو زندگی کی تمام تر صلاحیتوں کو اوقات کو مصروفیات کو اس داؤ پر لگا دیا ہے - کہ تخت یا تختہ یا خدا کا دین غالب ہوگا - ورنہ جان و مال کا نذرانہ تو اُس کے حضور بہر حال ہے -

ولائت اور تقوےٰ کا معیار جو قرآن وسنت سے متبادر ہے - اچھی طرح سے جان لینا چاہیئے - وہ یونان اور ایران سے نہیں آیا ہے - وہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے دور کے لاکھوں امتیوں کے سینوں میں سفینوں میں علم میں عمل میں جہد میں جہاد میں موجود ہے - جو چشم سر سے دیکھا جاسکتا ہے جس کو دیکھنے کے لئے سمجھنے کے لئے کسی لمبی چوڑی عقل کی فکر و نظر کی ضرورت نہیں ہے - اقامتِ دین کے لئے ان کی استقامت تاریخ کے ایک ایک ورق پر رقم ہے - اور استقامت ایک بڑی کرامت ہے (یہ کوئی کرامت نہیں کہ انسان ہوا میں اڑنے لگے سمندر میں چلنے لگے اس کرامت میں پرندے اور مچھلیاں انسان سے آگے ہیں) اس نوع کی کرامتوں سے اُس کرامت کو کیا نسبت جس کہ امت کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے تو دوسرے ہاتھ میں قرآن ہے وہ اپنے علم و عمل سے اظہار و بیان سے قرآن کا چلتا پھرتا اشتہار ہے - اظہار ہے - معاشرہ کے ایک ایک فرد کے بالمقابل بھی اور پورے معاشرہ کے روبرو بھی حتیٰ کہ عند سلطان جائر کے سامنے بھی - وہ توحید کے ذروہ سنام پہ کھڑا ہوا کائنات بشری کے ایک ایک فرد کو للکار رہا ہے - ایک خدا ایک ایمان ایک کتاب ایک رسالت ایک حق

ایک الحق ایک نظام حیات کی جانب مسلسل بلائے جا رہا ہے۔ گویا وہ وسعت افلاک
میں اعلائے کلمۃ الحق کی تکبیر مسلسل ہے۔ اور اس تکبیر مسلسل کے نتیجہ میں ہر مصیبت
کو ہر آفت کو ہر باطل کو باطل کے ہر ظلم کو تشدّد کو خندہ پیشانی کے ساتھ محض خوشنودی
رب کے لئے انگیز کئے ہوئے ہے۔ ہر باطل کے لئے وہ بلائے بے درمان ہے۔ ہر
قیصر کے لئے وہ پیام موت ہے ہر کسریٰ کے لئے وہ پیغام مرگ ہے۔ بتاؤ کیا نسبت
ہے۔ اُس نام نہاد ولایت کو مصنوعی اور جعلی تقویٰ کو جو خاک کی آغوش میں محو تسبیح
و مناجات ہے۔ محض سامان ناؤ نوش ہے۔ محض دوکان پیری مریدی ہے۔
محض ایک ڈھونگ ہے۔ محض ایک دکھاوا ہے۔ محض ریا و نمائش کا دُنیا کے
مفاد کے لئے ایک کھیل ہے۔ تماشہ ہے۔ جس کے پاس چند جھوٹی سچی خوابیں ہیں
چند بے سر و پا حکایتیں ہیں۔ چند جنتر منتر ہیں۔ چند الٹی سیدھی کرامتیں ہیں۔
جن میں بیشتر مصنوعی ہوتی ہیں۔ یہ جوگ سنیاس اور بدھ مت کا تقویٰ
اور ولایت لوگ اُس کے سامنے لے آئے ہیں۔ اور اس پیمانے سے اُس کو ناپنا
چاہتے ہیں۔ جو حق کا علم بردار ہے۔ جان نثار ہے جان باز ہے۔ ہر باطل کا دشمن
جان ہے۔ ہر باطل کے لئے کوہ گراں ہے۔ اس ظلمت بدوش باطل کی شب تا
اُس کا وجود ایک روشنی ہے۔ ایک مشعل راہ ہے۔ جو ان ظلمتوں کی گھٹا ٹوپ
اندھیریوں میں تزکیۂ نفوس کی شمعیں جلا رہا ہے۔ تصفیہ قلب کے چراغ روشن
کر رہا ہے۔ وہ ایمان کا ایک سدا بہار درخت ہے وہ یقین کا ایک سیل ر
وہ علم کا ایک سمندر وہ عمل کا ایک جہان جو الکتاب کی تلاوت آیات تفہیم
کتاب سے کائنات انسانی کے زمین و آسمان بدلنے کے لئے رسولوں ا
نبیوں کے مشن پر آکھڑا ہوا ہے۔ کہ جس ولایت اور تقویٰ کی روشنی اور
روشن گری سے نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ کا ورق ورق اپنی تاب
درشہوار ہے۔ آفتاب اور بدر کامل ہے۔ جس کی رات بھی اُسی طرح سے
روشن ہے۔ جس طرح سے اُس کا دن روشن ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ۔

قسط (۲) احمد افضال

عورت اور اسلامی مُعاشرہ

آج کا مغربی معاشرہ اور عورت آج کل امریکہ اور یورپ وغیرہ میں عورتیں تقریباً ہر شعبے میں کام کر رہی ہیں لیکن ایسی عورتیں مشکل سے چند فیصد ہیں جو کسی بڑے عہدے پر فائز ہوں۔ خواتین کی اکثریت کو نچلے درجے کے کام کرنا پڑتے ہیں۔ وہ یا تو ریستورانوں میں ویٹرس ہوتی ہیں یا ہوٹلوں میں مسافروں کے کمرے صاف کرنے اور چادریں بدلنے پر مامور ہوتی ہیں۔ انہیں یا تو دفاتر کے استقبالیئے پر بٹھا دیا جاتا ہے یا دکانوں پر مال بیچنے کا فرض سونپ دیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آزادیٔ نسواں کی لمبی چوڑی بحثوں اور جلسے جلوسوں کے باوجود مغربی عورت غلام ہے۔ پہلے اس پر صرف ایک مرد کا تسلط تھا۔ اب وہ ان گنت مردوں کیلئے تفریح اور عیش کا سامان پیدا کرتی ہے، کسب معاش کے لئے آٹھ آٹھ گھنٹے کی سخت اور ذلت آمیز ڈیوٹیاں ادا کرتی ہے، اپنے گھر پہنچ کر کھانا پکانے، برتن دھونے اور گھر کی صفائی کا کام کرتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بدکرداری، بے راہ روی اور آوارگی کا ذریعہ بن رہی ہے۔

مغرب میں عورت کا مقدر ذلت، رسوائی، عریانی اور بے چارگی سے عبارت ہے۔ ذرا جوانی کے قریب پہنچی کہ ہوس پرست مردوں کا فٹ بال بن جاتی ہے جوانی گزر جائے تو اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔ نہ شوہر جو اس کی حفاظت اور دستگیری کرے نہ اولاد جو اسے آرام پہنچائے۔ اس کا احترام اس وقت تک کیا جاتا ہے جب تک وہ دوسروں کے دل بہلانے کا سامان کر سکے۔ بوڑھی عورتوں کا کوئی پُرسان حال نہیں۔ حتیٰ کہ وہ بسوں اور ٹرینوں میں کھڑے ہو کر سفر کرتی ہیں اور ان کے لئے کوئی جوان مرد

بھی اپنی جگہ چھوڑنے کے لئے رضامند نہیں ہوتا۔ بڑھاپے میں عورتوں کا سہارا صرف محتاج گھر ہی رہ جاتا ہے۔ جہاں انہیں INDOOR تفریحات مہیا کی جاتی ہیں مگر اس عمر میں ان کے لئے واحد خوشی یہ ہوتی ہے کہ اپنی اولاد کو دیکھ سکیں۔ مگر یہ بات ان کے لئے سوہان روح ہے کہ جوان اولاد بات کرنا تو درکنار صورت دکھانے کی بھی روادار نہیں۔ اسی ذہنی اذیت اور احساسِ تنہائی کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ موت کی منزل تک جا پہنچتی ہیں۔

صنفی انتشار مغرب میں فحش کتابیں، رسالے، فلمیں اور گانے جس تیزی کے ساتھ لوگوں کو اخلاقی لحاظ سے پستی میں دھکیل رہے ہیں اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ لوگوں کے نظریات کس طرح تبدیل ہو رہے ہیں۔ جو باتیں اور کام کچھ عرصہ پہلے تک سخت معیوب سمجھے جاتے تھے وہ آج عین ترقی اور تہذیب و شائستگی کی علامت بن گئے ہیں۔ ماحول میں صنفی انتشار اس حد تک رچ بس گیا ہے کہ معصوم بچے بھی اس سے محفوظ نہیں ہیں۔ برطانوی مؤرخ آرنلڈ ٹائن بی نے اپنی آپ بیتی میں لکھا ہے[1]

> "ہماری غیر عقلی معاصرانہ بے صبری جس تیزی کے ساتھ رواں ہے اس نے ہمارے بچوں کی تعلیمی کیفیت میں ایک طوفان بپا کر رکھا ہے۔ ہم اس تیزی کے ساتھ انہیں بڑا کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں گویا وہ چوزے ہیں اور ان کے انڈوں کو مشینوں کے ذریعے قبل از وقت سیا جاچکا ہے۔ انتہا تو یہ ہے کہ ہم انہیں جنسی بلوغت کے دور سے پہلے ہی جسمانی حظ سے آشنا کرنے پر تلے ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو اس جسمانی حق سے محروم کر رہے ہیں جس کے تحت انہیں بچپن یا لڑکپن کے زمانے سے مستفید ہونا چاہیئے۔"

بچوں میں صنفی ہیجانات پیدا ہونے کے نتائج یہ نکلے ہیں کہ صرف واشنگٹن کے علاقے میں ۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۰ء تک کے درمیانی عرصے میں تقریباً دو سو لڑکیاں جن کی عمریں چودہ سال سے زیادہ نہ تھیں، شادی کے بغیر مائیں بن چکی ہیں۔ جبکہ ایک برس کی مدت میں اسی شہر کی چار سو لڑکیوں نے ماں بننے سے پہلے اپنے بچوں سے نجات حاصل کرلی۔ ان لڑکیوں کی عمریں ۱۴ سال یا اس سے کم تھیں۔ ایک سماجی کارکن نے انکشاف کیا کہ ان میں سے ایک ماں

---

[1] ماخوذ از "دورِ جدید کے عالم گیر فتنے" مصنفہ منشی عبدالرحمٰن خاں

صرف ۹ سال کی تھی جبکہ اس کا بوائے فرینڈ ۱۴ برس کا تھا۔[۱]

بچوں میں جنسی سرگرمیوں کی کثرت کے باوجود قانون کی نظر میں انہیں مجرم سمجھا جاتا تھا۔ ۱۹۸۱ء میں واشنگٹن کی سٹی کونسل میں طویل بحث آرائی کے بعد یہ اصول مرتب کیا گیا ہے کہ اگر سولہ سال سے کم عمر کے بچے اپنی باہمی رضامندی سے اپنے ہم عمروں کے ساتھ جنسی مشاغل میں مصروف پائے گئے تو انہیں مجرم قرار نہیں دیا جائے گا۔[۲]

بچوں کا یہ حال صرف امریکہ میں ہی نہیں بلکہ دیگر مغربی ممالک میں بھی یہی صورتحال ہے۔ برطانیہ میں ۱۶ سال سے کم عمر کی غیر شادی شدہ ماؤں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ سرکاری طور پر اسکولوں کی بچیوں کو متوقع ناجائز اولاد سے نجات دلانے کی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں یہ تعداد چار ہزار تھی۔ اگلے برس باقاعدہ ناجائز پیدائش کا تناسب بڑھ گیا۔ برطانیہ کے دفتر برائے مردم شماری اور سروے کے مطابق ۱۹۸۰ء میں زیر تعلیم لڑکیوں کے ۸۱۰۴ بچوں کی پیدائش متوقع تھی۔ ۴۴ فیصد نے بچے پیدا کئے۔[۳]

کچھ عرصے پہلے تک یہ حالت تھی کہ اسکول کی کسی لڑکی کے متعلق یہ افواہ بھی اڑ جاتی کہ وہ ماں بننے والی ہے تو اس کو اسکول چھوڑنا پڑتا تھا۔ مگر اب سماجی روایات اور نظریات کی تبدیلی کی وجہ سے ناجائز ولادت کوئی مسئلہ نہیں رہی۔ برطانیہ میں بیس برس سے کم عمر لڑکیوں سے پیدا ہونے والے ۵۴ فیصد بچے ناجائز ہوتے ہیں۔ بغیر شادی کے پیدا ہونے والے بچوں کی تعداد سالانہ ایک لاکھ ہے۔[۴]

ورجینیا کے ایک اسکول کے پرنسپل نے اپنے اسکول کی حاملہ طالبات کے متعلق کہا کہ ان معصوم لڑکیوں کو اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ کتنی بڑی مصیبت مول لے رہی ہیں، اور جب وہ مصیبت میں گرفتار ہو جاتی ہیں تو پھر معاشرے کا فرض ہے کہ ان کی معاونت کرے۔ اس معاونت اور حوصلہ افزائی کے نتیجے میں ایسی لڑکیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

ایلن گٹ میچر انسٹیٹیوٹ نے ایک جائزے کے بعد بتایا کہ امریکہ کے ہائی اسکول کی ہر دس میں سے چار لڑکیاں حاملہ ہو جاتی ہیں۔ ان لڑکیوں سے نرم سلوک کا ایک سبب

---

[۱]، [۴] روزنامہ جنگ کراچی ۴ ستمبر ۱۹۸۱ء
[۲] 〃 〃 〃 ۲۱ ستمبر ۱۹۸۲ء
[۳] اردو ڈائجسٹ جولائی ۱۹۸۳ء

یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ ناتجربہ کار ہوتی ہیں اور حمل سے محفوظ رہنے کے لئے مناسب تدابیر پر عمل نہیں کر پاتیں اور اپنے اناڑی پن کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔[۱]

اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ناجائز بچّوں کی تعداد جائز بچّوں سے بڑھتی جا رہی ہے۔ امریکہ کے دارالحکومت واشنگٹن میں ۱۹۸۰ء میں جتنے بچے پیدا ہوئے ان میں سے ۵۸ فیصد ناجائز تھے۔ ان کی ماؤں میں ۲۰ فی صد سترہ سال سے کم عمر تھیں۔[۲]

یہ حال بچّوں کا تھا۔ بڑوں میں ذہنی اور اخلاقی دیوالیہ پن انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ امریکہ میں پندرہ لاکھ سے زائد جوڑے شادی کے بغیر میاں بیوی کی حیثیت سے رہ رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر کی عمر ۲۵ سال سے کم ہے۔[۳]

برطانیہ میں شادی کے بغیر غیر مردوں کے ساتھ رہنے کا رجحان ۲۵ فی صد ہو گیا ہے۔ اس وقت ساڑھے تین لاکھ کے قریب جوڑے شادی کے جھنجھٹ میں پڑے بغیر میاں بیوی ہیں۔[۴] برطانیہ میں یہ سوال عام ہو گیا ہے کہ کیا شادی ضروری ہے؟ ظاہر ہے کہ جب دونوں صنفوں کو اپنی خواہش نفس کی تسکین کے ذرائع نہایت آرام سے مل جاتے ہیں تو انہیں بلاوجہ شادی بیاہ کے چکّر میں الجھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسکنڈے نیوین ممالک (ڈنمارک، سویڈن، ناروے اور آئرلینڈ) میں بھی شادی کو فرسودہ رسم سمجھنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ یہ لوگ آزاد محبّت (FREE LOVE) کے قائل ہیں۔ جب تک نبھے اکٹھے رہتے ہیں اور جب گذر نہ ہو سکے تو علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں۔ فلاحی ریاست ہونے کی وجہ سے بچّوں کی پرورش حکومت کے ذمّے ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں والدین کو پریشان نہیں ہونا پڑتا اور وہ اپنی آزاد محبّت کا کوئی نیا ساتھی ڈھونڈ لیتے ہیں۔ برازیل میں بھی یہی صورت حال ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق وہاں ناجائز بچّوں کی تعداد پچاس لاکھ کے قریب ہے۔[۵]

طلاق اور تفریق

ترقی یافتہ ممالک میں طلاق اور تفریق کے واقعات بہت بڑھ گئے ہیں صرف برطانیہ میں گزشتہ ۲۰ برس کے مقابلے میں طلاق کے واقعات میں چھ فیصد اضافہ ہوا ہے اور اگر یہی رجحان رہا تو آئندہ پانچ برس میں اسّی فیصد میاں بیوی کو طلاق ہو چکی ہو گی۔[۶] وہاں ہر ۳ میں سے دو شادیاں طلاق پر ختم ہوتی ہیں۔[۷] ایک معاشرے میں جہاں مرد اور عورت دونوں اپنا کماتے اور کھاتے ہیں، عورت کو کوئی شئے ایک مرد کے ساتھ بندھے رہنے پر آمادہ ہیں

۱،۲ روزنامہ جنگ کراچی ۱۸ دسمبر ۱۹۸۱ء
۳ روزنامہ جنگ کراچی ۱۲ جولائی ۱۹۸۰ء
۴ روزنامہ جنگ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۲ء
۵ اردو ڈائجسٹ جولائی ۱۹۸۳ء
۶ روزنامہ جنگ کراچی ۷ جنوری ۱۹۸۳ء
۷ اردو ڈائجسٹ جولائی ۱۹۸۳ء

کرتی. مغربی ممالک میں طلاق ایسی ایسی باتوں پر لی جاتی ہے جنہیں سن کر روتا ہوا آدمی ہنس پڑے. کچھ عرصہ پہلے بلّی پالنے کے مسئلے پر طلاق ہوئی. شوہر کو بلّی پالنے کا شوق تھا، بیوی کو نفرت تھی. معاملہ عدالت تک جا پہنچا اور تفریق ہو گئی. شوہر نے کہا "بیویاں تو بہت ہیں مگر اس نسل کی بلّی ملنا دشوار ہے۔ لہٰذا میں بیوی کو طلاق دے سکتا ہوں، بلّی کو نہیں۔"

طلاقوں کا ایک اہم سبب خواتین کی معاشی خود مختاری ہے۔ ڈاکٹر سٹڈنی لیکر کا کہنا ہے:

"اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر شادی شدہ عورت اپنے شوہر سے زیادہ کماتی ہے تو وہ احساسِ برتری میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اور یہ احساسِ برتری شوہر سے اَن بَن کا باعث بن جاتا ہے۔ پھر لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں اور دماغی سکون غارت ہو جاتا ہے [۱]"

امریکہ کے مردم شماری کے بیورو کے مطابق جو خواتین کلیدی عہدوں پر فائز ہیں ان میں طلاق کا رجحان دوسری عورتوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ مثلاً جو خواتین افسر ہیں اور پچاس ہزار ڈالر سالانہ سے زیادہ کماتی ہیں ان میں طلاق یافتہ عورتوں کی تعداد دوسری عورتوں کے مقابلے میں چار گنا ہے۔ جبکہ ۲۵ ہزار ڈالر سالانہ کمانے والی عورتوں میں طلاق یافتہ عورتیں دوسری عورتوں کے مقابلے میں دگنی ہیں۔ ماہرین نفسیات نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ جو خواتین دفاتر میں اہم فیصلے کرتی ہیں انہیں دوسروں پر حکم چلانے کی عادت ہو جاتی ہے۔ وہ سوچتی ہیں کہ جب وہ معقول مشاہرہ لے رہی ہیں تو انہیں شوہر کے سہارے کی کیا ضرورت ہے [۲]۔ ان خیالات نے طلاق اور علیحدگی کے رجحان میں اضافہ کر دیا ہے۔

جرائم مغربی ممالک میں معاشرتی اور قانونی نظام کے نقائص نے ہر نوع کے جرائم کے فروغ میں مدد دی ہے۔ برطانیہ کے مختلف علاقوں میں رہنے والی ہر ساٹھ عورتوں میں سے چالیس یہ سمجھتی ہیں کہ اب باعزت طور پر زندہ رہنا دشوار ہو چکا ہے [۳]۔ غروبِ آفتاب کے بعد گھر سے نکلنا غیر محفوظ ہے لیکن بہت سی خواتین کو بامر مجبوری یہ خطرہ مول لینا پڑتا ہے۔ جرائم پیشہ لوگوں کا نشانہ وہ افراد زیادہ بنتے ہیں جو شراب پی کر سڑکوں پر گھومتے ہیں۔

ایک مضمون میں یہ تفصیل آئی ہے کہ جب کسی اسکول سے لڑکیوں کی چھٹی ہوتی ہے تو پولیس کی پارٹیاں کاروں میں گشت کرتی ہیں اور فضا سے ہیلی کاپٹر دور دور تک نگاہ رکھتا ہے اور پولیس

---

[۱] اخبارِ جہاں ۱۸ جون ۱۹۷۹ء تا ۱۰ جون ۱۹۷۹ء [۲] روزنامہ جنگ ۸ اپریل ۱۹۸۳ء
[۳] روزنامہ جنگ کراچی ۱۲ اگست ۱۹۸۱ء

سے رابطہ رکھتا ہے تاکہ جہاں کہیں اغوا کا کوئی واقعہ ہو، مجرم کو فوراً گھیر لیا جائے۔ ان تمام انتظامات کے باوصف روزانہ سو سے دو سو تک جبری اغوا کی وارداتیں ہو جاتی ہیں۔

بے راہ روی مغربی معاشرے میں زناکاری کی کثرت نے تمدن کی جڑ کاٹ دی ہے اور خاندانی نظام کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ وہاں عورت کا واحد مقصدِ حیات یہ باقی رہ گیا ہے کہ مردوں کے سامنے اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ پُرکشش بنا کر پیش کرے۔ مغرب میں جو بات مرد کی پسند ہوتی ہے وہ عورت کا فیشن بن جاتی ہے۔ عورت انتہائی مختصر لباس میں ہوتی ہے اور اس کے ساتھ مرد، پورے کپڑوں میں ملبوس ملے گا۔ چھریرا نظر آنے کی خواہش میں فاقہ کشی کا جنون بھی بڑھ رہا ہے[۱] عورت کو اپنی غذا اور خوراک تک پر حق حاصل نہیں رہا ہے۔ جسمانی حسن کا جو معیار ماہرین نے مقرر کر دیا ہے، ہر عورت اس پر پورا اترنے کے لئے، وزن گھٹانے، ورزشیں کرنے اور خوراک میں کمی کرنے پر تلی رہتی ہے۔ برطانیہ میں خواتین کے دس میگزین اسی موضوع پر شائع ہوتے ہیں کہ دُبلا اور چھریرا بننے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں[۲]

امراضِ خبیثہ ترقی یافتہ ممالک میں فحاشی اور عریانی کی شدت کا ایک لازمی نتیجہ امراضِ خبیثہ کی شکل میں سامنے آرہا ہے۔ آج سے تیس چالیس برس پہلے امریکہ کی قریب قریب ۹۰ فیصد آبادی ان امراض سے متاثر تھی۔ وہاں کے سرکاری ہسپتالوں میں ہر سال آتشک کے دو لاکھ اور سوزاک کے ایک لاکھ ساٹھ ہزار مریضوں کا علاج کیا جاتا تھا۔ آج کل میڈیکل سائنس کی ترقی اور طبی معلومات کی کثرت کے باوجود صورت حال یہ ہے کہ ۱۹۸۰ء میں صرف واشنگٹن کے علاقے میں ۱۴ سال اور اس سے کم عمر کے تقریباً ایک لاکھ بچوں کو خطرناک جنسی بیماریوں میں مبتلا پایا گیا اور ان کا علاج کیا گیا۔ جبکہ بڑی عمر کے لوگوں میں یہ اوسط اس سے چھ گنا زیادہ تھا[۳]

احتجاج مغربی ممالک میں بڑھتی اور پھیلتی ہوئی بے حیائی سے خود اہلِ مغرب کے اہلِ نظر عاجز آگئے ہیں۔ بلجیم یونیورسٹی کے پروفیسر گلٹن کہتے ہیں:

> "ہم نے، بلکہ سارے مغربی ممالک نے عورتوں کو آزاد کر کے جس قدر اخلاقی، تمدنی اور سیاسی غلطی کی ہے، شاید اس قدر شدید اور فاش غلطی کسی کے تصور میں بھی نہیں آسکتی۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہماری عورتیں قومی اور ملکی ناقص خدمات انجام دینے کے بجائے گھر کی

---

[۱] روزنامہ جنگ کراچی ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۹ء [۳] روزنامہ جنگ کراچی ۴ ستمبر ۱۹۸۱ء

[۲] اردو ڈائجسٹ جولائی ۱۹۸۲ء

تنگ و تاریک چار دیواری میں رہتیں اور خانہ داری کے امور انجام دیتیں ہیں[1]"

۲۶ مارچ ۱۹۷۲ء کو برطانیہ کے ایک شہر ٹونٹگم میں پچاس ہزار افراد نے ناجائز بچّوں اور اسقاطِ حمل کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا۔ اس شہر میں صرف ۱۹۷۲ء میں ۱۵۹۲۵۰ ناجائز بچے پیدا ہوئے تھے[2] ۱۹۷۵ء میں دس لاکھ ہپیوں نے شکاگو میں اس صدی کا سب سے بڑا جلوس نکالا۔ ان کے ہاتھوں میں کئی لاکھ کتبے تھے جن پر لکھا تھا BACK TO RELIGION 'مذہب کی طرف واپس چلو'[3]

تبصرہ یونان، روم، عرب، ایران اور ہندوستان کی تہذیبوں میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ جب صنفی جذبات کو بے لگام چھوڑا گیا تو نتیجہ سلطنت کی تباہی کی شکل میں برآمد ہوا۔ آج مغرب کے ترقی یافتہ ممالک میں اس سے زیادہ برے حالات ہیں لیکن وہ پھر بھی ترقی یافتہ کہلاتے ہیں۔ کیوں؟ اس کی دو وجوہات ہیں:

اوّل: یہ کہ مغرب کے قصرِ عظمت کو جس چیز نے سہارا دیا ہوا ہے وہ علوم و فنون کی ترقی ہے۔ ورنہ بے حیائی کی دیمک اس کو اندر ہی اندر کھائے جا رہی ہے۔

دوم: یہ کہ ترقی اور تنزلی کے مطابق ہمارے نظریات بدل گئے ہیں، جس چیز کو ہم ترقی سمجھ رہے ہیں وہ بدترین زوال ہے۔ اخلاقی دیوالیہ پن کے ساتھ ترقی ناممکن ہے۔ پس یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ مغرب جہاں ایک طرف مادّی بلندی کی سمت رواں دواں ہے تو دوسری طرف اخلاقی زوال کی جانب بھی بڑھ رہا ہے۔ اور اس کی عظمت کا محل اب کوئی دن کا مہمان ہے۔ جوہری ہتھیاروں کی طاقت، ایک مضبوط اخلاقی نظریئے کے بغیر، اپنی خودکشی کے سوا کسی کام نہیں آسکتی۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ مرد و زن کا آزادانہ اختلاط تمدّن کے لئے سمِّ قاتل ہے۔ ڈاکٹر جے۔ ڈی اَنوِن نے لکھا ہے:

"جنس اور تہذیب میں گہرا تعلق ہے۔ جذبۂ جنس پر قابو پانے کے بعد انسان میں ایک خاص توانائی پیدا ہو جاتی ہے جس سے معاشرہ کے کسی بلند نصب العین کی تکمیل کا کام لیا جاسکتا

---

[1] بحوالہ "دورِ جدید کے عالمگیر فتنے"
[2] "میری آخری کتاب" از غلام جیلانی برق
[3] " " " "

ہے۔ جو لوگ عیاشی میں پڑجاتے ہیں ان کی توانائی اتنی کم ہوجاتی ہے کہ وہ کوئی بڑا کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتے یلے

لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ مغرب سے وہ چیزیں لیں جو اس کی ترقی کا سبب ہے، یعنی علوم و فنون اور قوتِ عمل مگر وہ شے نہ لیں جو اسے زوال اور پستی کی طرف لئے جارہی ہے مغرب کی مادّی ترقی اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ ان کا اخلاقی نظام بھی درست اور قابلِ اتباع ہے۔ بقول شاعرِ مشرق ؎

قوتِ مغرب نہ از چنگ و رباب
نے ز رقصِ دخترانِ بے حجاب
نے ز سحرِ ساحرانِ لالہ روست!
نے ز عریاں ساق و نے از قطع موست!
محکمی او را نہ از لادینی است
نے فروغش از خطِ لاطینی است
قوّتِ افرنگ از علم و فن است
از ہمیں آتش چراغش روشن است

ترجمہ: مغرب کی قوت کا راز نہ تو چنگ ورباب میں ہے نہ بے پردہ بیٹیوں کے رقص میں، نہ گل رو ساحروں کے سحر میں، نہ عریاں پنڈلیوں اور بال تراشنے میں، انکے استحکام اور مضبوطی کا انحصار نہ تو لادینی نظامِ زندگی پر ہے اور نہ رومن رسم الخط کے فروغ پر۔ افرنگیوں کی قوت تمام کی تمام علم و فن کی بدولت ہے۔ یہی وہ آگ ہے جس سے ان کا چراغ روشن ہے۔

اسلام اور عورت

ہم دیکھ چکے ہیں کہ دورِ قدیم میں عورت کو نہایت پست درجے کی مخلوق سمجھا جاتا تھا۔ عصرِ حاضر میں عورت کو ہر معاملے میں آزادی دی گئی ہے لیکن اس کے جو تباہ کن نتائج برآمد ہو رہے ہیں وہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ آزادی غیر فطری ہے۔ ہر شخص کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر

لہ سیکس اینڈ کلچر۔ ڈاکٹر جے ڈی اَنون

راہِ عمل کیا ہے؛ صراطِ مستقیم کون سا ہے؟ اسلام ــــ پہلا اور آخری دین ہے۔ وہ انسان کو اس کی زندگی کے ہر پہلو اور ہر شعبے کے لئے واضح، غیر مبہم اور مکمل ھدایات دیتا ہے۔ یہ دینِ فطرت بھی ہے۔ لہٰذا اس کا ہر حکم فطرت کے عین مطابق اور اس کا ہر ضابطہ فطرت سے ہم آہنگی رکھتا ہے۔ عورت کا معاشرے میں کیا مقام ہو؟ مرد کے مقابلے میں اس کی کیا حیثیت ہو؛ اسے کیا کیا حقوق حاصل ہوں اور کون کون سے فرائض اس کے ذمے ہوں؟ ان تمام سوالوں کے تفصیلی جوابات قرآن حکیم اور سنتِ رسولؐ میں دے دیئے گئے ہیں اور جو مسلمان ہیں، انہیں چاہیئے کہ ان احکامات کے سامنے سرِاطاعت خم کر دیں۔

"کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملے میں کوئی فیصلہ دے دیں تو پھر اسے اس معاملے میں خود بھی فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔" (احزاب ۳۶)

اسلام میں عورت کی حیثیت کو سمجھنے کے لئے چند اساسی اصول ذہن نشین کر لینے چاہئیں:

(۱) **مرد و زن کے درمیان اخلاقی مساوات** جہاں تک اخلاقی اور بنیادی مساوات کا تعلق ہے، اسلام نے مرد اور عورت کو برابر قرار دیا ہے۔ جس طرح مرد پیدا ہوتا ہے، اسی طرح عورت بھی پیدا ہوتی ہے ــــ دونوں نسلِ انسانی کے افراد ہیں اور انسان ہونے کے ناطے ایک جیسی عزت کے مستحق ہیں:

"لوگو! اپنے پروردگار کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت دنیا میں پھیلا دیئے"

(نساء - ۱)

اسلام میں عورت کا الگ اخلاقی اور دینی تشخص ہے۔ اس کا دین اس کے شوہر یا باپ کے تابع نہیں بلکہ وہ اپنے اعمال کے لئے خود جواب دہ ہے۔

"اور جو نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن تو ایسے ہی لوگ جنت میں جائیں گے اور ان کی ذرہ برابر بھی حق تلفی نہ ہونے پائے گی۔" (نساء ۱۲۴)

"میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے کسی عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں۔ خواہ مرد ہو یا عورت۔ تم سب ایک دوسرے ہی سے ہو۔" (آلِ عمران - ۱۹۵)

یہ بتانے کے لئے کہ عورت کا جدا اخلاقی تشخص ہے، سورۂ تحریم میں چار عورتوں کی مثالیں دی گئی ہیں۔ حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویاں، جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا اور انبیاء کی زوجیت میں ہونے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکا ــــــ فرعون کی بیوی جن کا شوہر بدترین دشمنِ خدا تھا مگر وہ خود نہایت خدا پرست اور خدا ترس عورت تھیں ــــــ حضرت مریمؑ جن کی خود اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی۔ اب بھی کسی کو مرد و زن کے درمیان نیکی کے سلسلے میں مساوات میں کوئی شبہ ہو تو یہ آیت ملاحظہ ہو۔

"بے شک جو مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ہیں، ایمان لانے والے اور ایمان لانے والیاں ہیں، مطیعِ فرمان ہیں، راست باز ہیں، صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں ہیں، اللہ کے سامنے جھکنے والے اور جھکنے والیاں ہیں، صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں ہیں، روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں ہیں اور اندیشہ کی جگہوں کی حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیاں ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم مہیّا کر رکھا ہے۔ (احزاب ـ ۳۵)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اور جتنے اخلاقی اوصاف مردوں میں ہو سکتے ہیں، وہی عورتوں میں بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی اخلاقی زاویۂ نگاہ سے مرد اور عورت میں کامل مساوات ہے۔

(۲) قانونی مساوات نہیں ہے

مرد و زن کے درمیان اس اعتبار سے تو قانونی برابری ہے کہ دونوں کے جان و مال کو مساوی اہمیت حاصل ہے اور جس طرح مرد کی جان اور مال کی حفاظت حکومت کا فرض ہے، اسی طرح عورت کی جان اور مال کا تحفظ بھی قانون کی ذمہ داری ہے۔ لیکن دو اہم معاملات ایسے ہیں جن میں مرد کو عورت پر تفوّق دیا گیا ہے۔ یعنی ــــــ قانونِ وراثت اور قانونِ شہادت!!

قانونِ وراثت

اسلام کے قانونِ وراثت میں عورتوں کا حق مردوں سے آدھا رکھا گیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔ "اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں یہ ہدایت کرتا ہے کہ مرد کو دو عورتوں کے برابر حصّہ دو۔ (نساء ــــ ۱۱)

اسی طرح باپ کے مقابلے میں ماں کا حصّہ نصف ہے۔ کیا یہ ناانصافی ہوئی؟ نہیں یہ

عین انصاف ہے۔ کیونکہ :

(الف) مرد پر اس کے بیوی بچّوں کی ذمّہ داری ہوتی ہے۔

(ب) عورت پر کسی کی، حتٰی کہ خود اس کی اپنی ذمّہ داری بھی نہیں ڈالی گئی۔ عورت کی کفالت باپ اور شوہر کے ذمّے ہے۔ اس کو مہر اور نفقہ کے حقوق بھی حاصل ہیں جن سے مرد محروم ہے۔

فرض کیجیئے ایک مرد کو وراثت میں کہیں سے دس ہزار اور عورت کو پانچ ہزار روپے ملتے ہیں۔ مرد کے دس ہزار اس کے بیوی بچّوں اور دیگر زیر کفالت افراد پر تقسیم ہو جائیں گے۔ لیکن عورت پر چونکہ کسی کی ذمّہ داری نہیں لہٰذا وہ اپنے پانچ ہزار کی اکیلی حقدار ہے۔ اس طرح یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگرچہ مرد کو عورت سے دوگنا حصّہ ملتا ہے مگر حقیقتاً عورت فائدے میں رہتی ہے۔

قانون شہادت

اسلامی نظام عدل و تعزیرات میں گواہی اور شہادت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ عورت کا قانون شہادت میں کیا مقام ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"اور گواہ بناؤ اپنے مردوں میں سے دو، اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہوں میں سے پسند کرو تاکہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔" (البقرہ - ۲۸۲)

اس آیۂ مبارکہ میں ایک مرد کی گواہی کو دو عورتوں کی گواہی کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ یہ معاملہ عام تعزیرات کا ہے۔ حدود و قصاص کے نفاذ کے لئے عورتوں کی گواہی کافی نہیں، مردوں کی شہادت چاہیے۔ تاہم ایسے معاملات میں محض عورت کی گواہی بھی معتبر تسلیم کی جائے گی جن تک مردوں کی رسائی نہیں ہوتی۔

عورت کی شہادت کو مرد کی شہادت کے مقابلے میں نصف اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ عورت اپنے فطری جذبات، رحم، مروّت، نرم مزاجی، نیک نفسی اور سادہ دلی کے باعث کسی ایسے مقدمہ میں تنہا شاہد بننے کی ذمّہ دار نہیں ہو سکتی جس میں ملزم کو موت یا ایسی ہی کوئی سخت سزا دی جا سکتی ہو۔ اس آیت کے الفاظ سے یہ امر بھی سامنے آتا ہے کہ عورتوں کو بھول چوک اور نسیان لاحق ہونے کا امکان مردوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ اسی لئے کم از کم دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے تاکہ اگر ایک اپنے بیان میں واقعہ کا کوئی پہلو فراموش کر دے

(باقی صفحہ ۸۶ پر)

نشر القرآن کی نئی کیسٹ سیریز

الھدیٰ

کیسٹ سیریز

ڈاکٹر اسرار احمد (امیر تنظیم اسلامی)

کے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب پر مشتمل

درسِ قرآن

کے ۳۰ کیسٹس سی T-D-K 60 جاپانی کیسٹ پر ریکارڈ کروائے گئے ہیں جس کی قیمت ۷۵۰/- روپے ہے۔ لاہور سے باہر رہائش پذیر خواہش مند حضرات ۷۶۰/- روپے بذریعہ بنک ڈرافٹ / منی آرڈر نشر القرآن کے نام درج ذیل پتہ پر بھجوا کر کیسٹس حاصل کر سکتے ہیں۔

تنظیم اسلامی

نشر القرآن کیسٹ سیریز

۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۱۴

فون: ۸۵۲۶۱۱

طالبانِ علم قرآن و سُنّت کیلئے

خوشخبری

ڈاکٹر اسرار احمد

کی ڈھائی سو سے زائد کیسٹس سے درج ذیل طریقہ کار
کے مطابق استفادہ کر سکتے ہیں

طریقہ کار

۱ - ہر شخص کیسٹ لائبریری کا ممبر بن سکتا ہے ۔
۲ - ممبر شپ فیس دس روپے سالانہ ہو گی ۔
۳ - ہر اس شخص کو جو کیسٹوں کا اجراء کروانا چاہے -/۲۰ روپے فی کیسٹ کے حساب سے زرِ ضمانت جمع کروانے ہوں گے جو قابلِ واپسی ہوں گے ۔
۵ - جاری کیے گئے کیسٹس ہر صورت میں دس دن بعد واپس کرنے ہوں گے ۔
۶ - کیسٹ واپس نہ آنے کی صورت میں کیسٹ فروخت تصور کی جائے گی ۔
۷ - لاہور سے باہر رہائش پذیر ممبر ایک ماہ تک کیسٹس اپنے پاس رکھ سکیں گے نیز انہیں یہ سہولت بھی حاصل ہو گی کہ وہ ایک وقت میں دس کیسٹوں کا اجراء کروا سکیں
۸ - بیرون لاہور کیسٹ بھجوانے کے لئے ڈاک و پیکنگ کا خرچ ممبر کے ذمہ ہو گا ۔ ایک سے دس کیسٹس تک ڈاک خرچ -/۸ روپے ، بذریعہ منی آرڈر زرِ ضمانت کے ہمراہ الہدیٰ کیسٹ لائبریری کے نام ارسال کرنا ہو گا ۔

نوٹ : خواہش مند حضرات خط لکھ کر کیسٹ کی فہرست طلب فرمائیں

الہدیٰ کیسٹ لائبریری : دفتر تنظیم اسلامی

۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور
کی مطبوعات میں
ایک اہم اضافہ

★

سانحۂ کربلا

از
ڈاکٹر اسرار احمد
کی
ایک اہم تقریر جواب کتابی شکل میں
شائع کی گئی ہے

صفحات ــــ ۴۸
قیمت : ۳ روپے صرف
ــــ ملنے کا پتہ ــــ
۳۶ ــ کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون :- ۸۵۲۶۱۱

افکار و آراء

"ملّت اسلامیہ کا المیہ"

آج یہ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اختلافات عروج پر ہیں، گروہوں کے درمیان، علاقوں اور صوبوں کے درمیان، برادریوں اور فرقوں کے درمیان، تو اس کی سب سے اہم وجہ یہ کہ ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم اس وقت تک اپنا کردار نہیں بنا سکیں گے، جب تک ہم اپنے ہمعصر لوگوں کا کردار خراب نہ کر دیں۔ ہماری اس منفی سوچ نے اتفاق واتحاد میں رخنوں کا لامتناہی سلسلہ دراز سے دراز تر کر دیا ہے اور ہم مجموعی حیثیت سے تعمیر کی بجائے تخریب کی راہ پر گامزن ہو گئے ہیں۔

یہ صورتِ حال اس وقت اور زیادہ خراب ہو جاتی ہے جب ہم اپنے مذہبی گروہوں کو ایک دوسرے کی تذلیل اور تحقیر کرتے دیکھتے ہیں۔ مذہبی فرقوں کی اس کشمکش اور چپقلش سے وہ گروہِ انسانیت فائدہ اٹھا رہا ہے جو باطل کا حامی اور اسلام کا دشمن ہے اور وہ گروہ نقصان اٹھا رہا ہے جو حق پرست ہے اور اللہ اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقوں کو دنیا میں عملاً قائم کرنے کا خواہشمند ہے۔ اسلام کے باغیوں اور کفر والحاد کے پیرؤوں کو سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچ رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کی نوجوان نسلوں کو یہ تأثر دینے میں کامیاب ہو رہے ہیں کہ "اسلام، خدا اور رسولؐ سب انسانی اختراع ہیں اور یہ مولویوں نے لوگوں کو بیوقوف بنایا ہوا ہے۔ پھر یہ کہ مولویوں کا اسلام ایک نہیں ہے تو اے نوجوانو! تم کون سے اسلام کو اسلام کہتے ہو؟ اگر اسلام ایک دین ہوتا تو یہ مسجدیں علٰحدہ علٰحدہ کیوں ہوتیں اور یہ ایک فرقے کا دوسرے فرقے کے خلاف کیوں محاذ بنتا۔"

بہرحال اسی قسم کی باتوں سے نوجوان نسل کو ادھر اسلام سے برگشتہ کیا جا رہا ہے، ادھر ہم اپنا اعتماد قائم کرنے کے لئے دوسروں کے اعتماد کو ختم کرنے پر، ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں اور موقع کس قدر نازک ہے۔ ہم کو اس کا ذرا احساس نہیں ہے۔ ہمارے مذہبی گروہ دین کے تقاضوں سے غافل ہو کر مسلمانوں کے درمیان نفرت کے بیج بونے اور حقارت کی کھیتیاں کاٹنے میں مصروف ہیں۔

اس وقت کو جو اللہ تعالیٰ بحیثیت امتِ مسلمہ ہم کو دئے ہوئے ہے غنیمت جانتے ہوئے ہم کو ایک ایسا نقطۂ اشتراک درکار ہے جو ملّتِ اسلامی کو امتِ واحدہ میں سمو دے اور کفر والحاد کے مقابلے میں بنیانٌ مرصوص بنا دے۔ دینی جماعتوں میں یہ بُعد دُوری، حسد اور عداوتِ عام مسلمان کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اس لئے کہ ان کے درمیان کوئی

وجہِ اختلاف نہیں ہے جو انہیں ایک دوسرے کے ساتھ چلنے سے روکتا ہو۔ ان تمام فرقوں کی بنیادیں قرآن، سنت، اجماع اور اجتہاد پر مبنی ہیں جو سب کے نزدیک معتبر اور مشترک ہیں پھر ان بزرگوں نے اس باب میں جو کچھ کیا ہے وہ اس قدر قیمتی سرمایہ ہے کہ خود ان کے پیروؤں کو اس کی خبر نہیں ہے تو آیئے ذرا اپنے ائمہ میں سب سے پہلے ہم یہ جان لیں کہ:

امام ابوحنیفہؒ کا نام نعمان بن ثابت ہے۔ کوفے کے رہنے والے ہیں۔ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ آپ کے زمانہ میں چار صحابی بقیدِ حیات تھے۔ بصرہ میں انس بن مالکؓ۔ کوفہ میں عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ۔ مدینہ میں سہل بن سعدؓ ساعدی اور مکہ میں ابوالطفیل عامر بن واصلہؓ۔ ان کے ہزاروں شاگردوں میں سے دو بہت معروف و مشہور ہوئے۔ ایک امام محمدؒ اور دوسرے امام ابویوسفؒ۔ دونوں نے بعض مسائل میں اپنے محترم استاذ ابوحنیفہؒ سے اختلاف کیا لیکن نہ عقیدت مجروح ہوئی نہ محبت میں فرق آیا۔ نہ انہوں نے خود کو حنفی کہا اور نہ اس مسلک کی بنیاد ڈالی۔ وہ خود کو صرف اور صرف مسلمان کہتے تھے کیونکہ اللہ نے دینِ اسلام کو قبول کرنے والوں کا نام قرآن میں مسلم اور مومن رکھا ہے۔ ہم نے اللہ کے رکھے ہوئے ناموں پر قناعت نہ کرتے ہوئے خود کو حنفی مسلمان کہلانے پر فخر کیا، وہ ایسا کیوں کرتے اور کرتے تو خدا کی پناہ یہ تجاوز شمار ہوتا۔

دوسرے امام مالک بن انس بن مالک ہیں ۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور مدینہ میں ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ آپ امام ابوحنیفہؒ (امامِ اعظم) سے عمر میں پندرہ سال چھوٹے ہیں۔ احادیث کی سب سے قدیم کتاب 'موطا' آپ ہی کی مرتب کردہ ہے۔ سالہاسال کی محنت کے بعد دس ہزار احادیثِ نبویؐ ہر کسوٹی پر پرکھ کر منتخب کیں۔ آپ مدینۃ الرسولؐ کے استاد الحدیث تھے اور ساٹھ سال تک روایتِ حدیث میں مشغول رہے۔ آپ کے ہزاروں شاگردوں میں امامِ شافعیؒ جیسے جلیل القدر لوگ گزرے ہیں لیکن ان میں سے کسی نے نہ خود کو مالکی کہا اور نہ مالکی مسلک کی بنیاد ڈالی۔ بس اللہ کے دیئے ہوئے نام مسلم اور مومن ہی میں سب کچھ جانا اور اسی کو کافی سمجھا۔ امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ مجھے تو حضرت امامِ مالکؒ سے زیادہ کوئی قابلِ اطمینان نہیں معلوم ہوتا۔ اسی طرح انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اُن سے کوئی روایت ملے تو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لو۔ اس قدر عقیدت کے باوجود انہوں نے خود کو کبھی مالکی نہیں بنایا۔

تیسرے امام شافعیؒ بمقام غزہ ۱۵۰ھ میں تولد ہوئے اور ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ آپ بنی ہاشم میں سے ہیں اور امام مالکؒ سے موطا کا درس لیتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ یہ شافعیؒ کون شخص ہیں تو جواب میں انہوں نے فرمایا کہ پیارے بیٹے! امام شافعیؒ دن کے آفتاب کی مانند ہیں اور لوگوں کے حق میں وہ امن و عافیت کی طرح ہیں۔

اُن کے متعلق امام احمد بن حنبلؒ فرماتے تھے کہ مَیں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس کی نسبت اسلام کے ساتھ اس قدر زبردست ہو جس قدر امام شافعیؒ کی تھی۔ فرماتے ہیں کہ مَیں نے جب بھی کسی شخص سے مناظرہ کیا تو اس وقت یہی خواہش ہوئی کہ اللہ حق کو میری زبان سے واضح کر دے۔ خواہ اس کی زبان سے یعنی امام شافعیؒ کی۔ امام احمد بن حنبلؒ کی نظر میں امام شافعیؒ کی اتنی عظمت، عقیدت اور قدر و منزلت ہوتے ہوئے انہوں نے خود کو نہ کبھی شافعی کہلوایا نہ اس کے لیے کوئی گنجائش پیدا کی۔ حالانکہ وہ اگر ایسا کرتے تو قابلِ گرفت نہ ہوتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ خود کو دین کا ادنیٰ خادم سمجھا اور اللہ نے مُسلم اور مؤمن جن ناموں سے اسلام کے پیروؤں کو موسوم فرمایا اسی پر ہر طریقے سے مطمئن رہے۔

چوتھے امام جناب **احمد بن حنبلؒ** ہیں جو ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوتے اور ۷۷ سال کی عمر پاکر ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔ امام شافعیؒ سے ۱۴ سال چھوٹے تھے۔ ابوزرعہ کہتے ہیں کہ انہیں دس لاکھ احادیث یاد تھیں۔ احمد بن سعیدؒ دارمی کہتے ہیں کہ مَیں نے کسی نوجوان کو امام احمد بن حنبلؒ سے زیادہ حدیثِ رسولؐ کا حافظ اور اس کے معانی اور فقہ کا واقف کار نہیں دیکھا۔ انہی کے متعلق امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مَیں بغداد سے روانہ ہوا تو مَیں نے اپنے پیچھے کسی شخص کو امام احمد بن حنبلؒ سے بڑھ کر متقی، متورع، فقیہہ اور عالم نہیں چھوڑا مگر انہوں نے بھی نہ اپنے ناموں اور کاموں کے ساتھ کسی بھی لاحقہ اور سابقہ کی ضرورت محسوس نہ کی جیسے کہ بعد میں آنے والوں نے مستقل مسلک بنالیے اور مذہبی گروہ بندیوں میں اس قدر متشدّد ہو گئے کہ اپنے فرقہ کے علاوہ دوسرے فرقے اُن کی نگاہوں میں گمراہ ٹھہرے۔

مسلمانوں کا مستقل مذہبی گروہوں میں تقسیم ہو جانا ملّتِ اسلامیہ کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ تقسیم در تقسیم کا یہی عمل اپنی تمام تباہ کاریوں کے ساتھ آج بھی جاری ہے۔ اب تو مساجد بھی فرقوں میں بٹ چکی ہیں اور ان کی پیشانیوں پر اُن کے مسالک نمایاں ہیں۔ فقہی مسائل میں یا جزوی معاملات میں جو غلو اور تشدّد اختیار کیا گیا ہے اس سے مسلمانوں کے دل پھٹ چکے ہیں جس کی سزا وہ پچھلی صدیوں سے بھگتتے آرہے ہیں مگر احساسِ زیاں باقی نہیں رہا ہے کہ اپنا احتساب کریں اور مستقبل کی فکر کریں۔ اب اور اس وقت ضرورت صرف اور صرف مسلمان بننے کی ہے۔ وہی مسلمان جو ہمارے آقا و پیارے نبی حضرت محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رحمتِ دوعالم، آپ کے خلفائے راشدین، رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سلف صالحینؒ رحمہم اللہ اپنی بعد والی نسلوں کو بنانا چاہتے تھے۔ یہ تمام فرقہ بندیاں بعد کی پیداوار ہیں جو ہم جیسے کم علم لوگوں نے بناڈالیں۔ دلوں کو کاٹ بیٹھے۔ تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر گئے اور اللہ کی رسّی کو چھوڑ بیٹھے جس کے متعلق قرآن کے ذریعہ ہدایات دی گئی تھیں کہ "اے ایمان لانے والو! اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو سب کے سب مل کر اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو"، پھر اسی طرح اُس تنبیہ کو بھی بھلا بیٹھے کہ "اگر تم نے اس کے برعکس کیا تو تمہاری ہَوا اکھڑ جائے گی، دشمن سے تمہارا

رعب ختم ہو جائے گا اور تم تباہ ہو جاؤ گے ،، پھر اسی طرح آج ہم اس خوشخبری کو بھی نظر انداز کر گزرے جو نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زبان سے ارشاد فرمائی:

"حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل جلالہٗ قیامت کے دن ارشاد فرمائے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو آپس میں دوستی رکھتے تھے میری بزرگی کے واسطے۔ آج کے دن میں اُن کو سائے میں رکھوں گا۔ یہ وہ دن ہے جس دن کوئی سایہ نہیں سوائے میرے سائے کے۔"

یہ کیسی بدنصیبی ہے کہ اللہ کی بے پناہ شفقتوں اور انعامات کی بارشوں کو ہم غفلتوں کے دبیز پردوں میں چھپائے کفرانِ نعمت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اس کے دین کو جگہ جگہ پامال ہوتے دیکھ رہے ہیں لیکن ہماری غیرتِ ایمانی بیدار نہیں ہوتی۔ آپس کی بحث و تکرار سے فرصت ملے تو سوچیں، کہ امتِ مسلمہ کیوں اور کس مقصد کے لئے وجود میں آئی، نبی پاکؐ کا دنیا میں بھیجنے کا مقصد کیا تھا؟ قرآنِ کریم کی کیا تعلیم تھی؟ اور اسے نبی پاکؐ نے کس طرح قولی و عملی طریقہ پر انسانوں کے لئے رائج فرمایا؟ بس یہی وہ بنیادی سوالات ہیں جن کے جوابات پر ہماری دین و دنیا کی کامیابی کا انحصار ہے۔ (محمد صدیق خاں ۴/۹۷۔ ڈرگ روڈ۔ کینٹ کراچی ۸)

—(۲)—

ایں چہ بوالعجبیست؟

(گذشتہ سے پیوستہ) از عبدالرحمان خاں مہمند

اور اب تکلف برطرف، قیامِ پاکستان کی اصلی اور حقیقی اساس کہ جسکی زبردست قوتِ اثر کے بغیر یہ نئی ریاست شاید کبھی معرضِ وجود میں نہ آتی اور جس سے بے رخی و بے وفائی کے نتیجے میں خسارے اور جگ ہنسائی کے سوا فی الحقیقت ملک و قوم کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔ ۵۸ء میں ایک بار پھر قوم کی نیم مردہ رگوں میں زندگی کی انتہائی رمق دوڑا گئی اور ملتِ پاکستان نے اجتماعی طور پر اپنے حقیقی مقاصد کی تحصیل کے لیے بے مثال قربانیاں پیش کیں۔ نتیجتاً "دورِ سیاہ" کو اپنی بساط لپیٹنی پڑی اور نئی روشنیوں کی جھلک دکھلاتا ہوا دورِ نو شروع ہوا۔ عزائم اس دور کے بانی کے بھی بڑے خوش کن اور اساسی نظریات و مقاصد سے ہم آہنگ تھے مگر کیا اُس کا عمل ان اونچے عزائم کے متقاضی اقدامات سے کوئی لگا کھاتا ہے؟ یا اگر نہج بدلی ہے تو کیا اسکے لابدی نتائج بھی سامنے آئے ہیں؟ اس کا جائزہ لینے کے لیے ہمیں وسیع نقطۂ نظر سے معاملے کی تمام گرہیں کھولنا پڑیں گی اور پچھلے تقریباً چھ برس کی کارگزاری کو تنقیح کی سان پر چڑھانا پڑے گا تاکہ آئندہ کے لیے تحصیلِ خیر اور فلاحِ امت کے تقاضے پورے ہو سکیں!

لیکن یہاں ہم یہ امر واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس سے ہمارا مقصود شخصیتِ موضوعہ

میں کیڑے ڈالنا نہیں ہے اور نہ ہی اس کے کوئی منفی اثرات کسی بھی ذکی وفہیم قاری کے ذہن پر مرتسم ہو سکتے ہیں بلکہ اصل نیت جوبات کی تہہ میں کار فرما ہے ، وہی اگر اسکے حقیقی مخاطبین پر واضح ہو جائے کہ ایک رجائیت پسند یہ قیاس کر سکتا ہے کہ شاید تاریخ کا دھارا ایک بار پھر صحیح رخ پر ڈالنے کی کوئی سنجیدہ کوشش مستقل عزم کیساتھ شروع کر دی جائے۔ بصورت دیگر تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جن قوموں کے نفوس ناطقہ غلط پگڈنڈیوں پر سفر کریں ، ان کی تقدیریں گہنا جایا کرتی ہیں اور یہ وہ تلخ سچائی ہے کہ جتنی جلدی اس سے اکتساب فکر کیا جائے گا ، کاروان امت اتنی ہی جلد سمراہوں کی لعنت عظیمہ سے نکل کر عظمت پارینہ کیطرف گامزن ہو گا ۔!!

فی الاصل کسی بھی بڑے کام کے بحسن وخوبی تکمیل پذیر ہونے کے لیے چند بنیادی چیزوں کا ہونا ایک جزو لازم کی حیثیت رکھتا ہے ان میں اولین اور سب سے ضروری عنصر اس کام کے مبنی برحق ہونے کا مکمل یقین وایمان ہے ایک ایسا ایقان جو کسی بھی درجے میں متزلزل نہ ہو ۔ اور مخالف ہوا کا کوئی تیز ترین جھونکا بھی اسمیں لرزش پیدا نہ کر سکے اور جب یہ پہلی اینٹ بنیاد میں مضبوطی سے جم جائے تو اسپر اگلے تعمیری مراحل طے کرنے کے لیے بہترین اخلاص ، صحیح ترین نہج پر اعلیٰ ترین منصوبہ بندی ، جذبۂ محکم اور جہد مسلسل کا ہونا ناگزیر لوازمات میں شامل ہوتا ہے پھر ان اٹل اساسی تقاضوں کے مستزاد ایک اور عنصر بھی حصول مقاصد کے ضمن میں نہایت اہم رول ادا کرتا ہے اور وہ یہ کہ اس راہ کی مسافرت میں رفیقان سفر بھی اپنے اندر مندرجہ بالا خوبیاں بدرجۂ اتم رکھتے ہوں اور کسی بھی نازک مرحلے پر ٹانگ کھینچنے والے مشیران کی بجائے متعین کردہ منزل کے سیاق میں صائب الرائے اصحاب کا تعاون حاصل ہو ۔ علاوہ ازیں جب ایک بات محکم ہو جائے تو پھر بغیر کسی امتیاز وذہنی تحفظ مکمل اطاعت کا جذبہ اپنی احسن ترین شکل میں کار فرما ہو !

چنانچہ ان راہنما اصولوں کے مطابق کوئی بھی حکمران اگر نفاذ اسلام کی کوشش ملک میں کبھی کرتا تو یہ ممکن نہیں تھا کہ کامیابی کے در اس پر وا نہ ہوتے ۔ کیوں کہ یہ بات تو حق کی فطرت میں داخل ہے کہ اگر اسکے لیے کوئی سعی وجہد اسکی مطلوب نہج پر ، مطلوب کردار کیساتھ کی جائے تو کامرانی منطقی طور پر لازماً قدم چومتی ہے مگر افسوس کہ یہاں اول تو بحیثیت نظام زندگی ، اسلام کے فی زمانہ قابل عمل ہونے کے بارے میں یقین ہی نہیں تھا اور جب حکومت کی باگ دوڑ اللہ کے کسی ایسے بندے کے ہاتھ میں آئی جو اس کے قابل عمل اور تقاضائے عمل پر یقین محکم رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی تنفیذ کی نیت بھی فی الواقع رکھتا تھا تو بات یوں الٹ پڑی کہ کام نہ تو کسی مضبوط منصوبہ بندی کے تحت ہوا اور نہ ہی سلیقے وڈھنگ کا شمول مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کے لیے ضروری سمجھا گیا اور

ے ناطقہ سر بگریباں ہے ، اسے کیا کہیے

کہ انتہائی بنیادی اور اولین درجے کے اقدامات کیے بغیر ہی اسلام جیسے اعلیٰ ومنزہ دین کو الل ٹپ نافذ کرنے کی کوشش ناتمام کی گئی ۔ ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر کے لیے کہیں کی اینٹ اور کہیں کا روڑا اکٹھا کر کے یہ سمجھ لیا گیا کہ ہم نے رتنے کو سرے سے پکڑ لیا ہے اور عقل

اس امر پر حیران رہ جاتی ہے کہ تعمیر سے بیشتر مجوزہ جگہ پر پڑے ہوئے گندگی و غلاظت کے ڈھیر ہٹانے بھی ضروری نہیں سمجھے گئے۔

بدی اور خیانت کے سوتے بند کیے بغیر اور حقیقی معنوں میں تفتیش و تحقیق اور انصاف و فیصلہ کی مربوط مشینری کی عدم موجودگی میں جب حدود و آرڈیننس نافذ کیا گیا تو یہ بات اسی وقت ہی اظہر من الشمس تھی کہ یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکے گی۔ پھر اقتصادی میدان میں مطلوبہ اصلاحات کے بغیر نظام زکوٰۃ کی پوری افادیت کبھی نکھر کر سامنے نہیں آسکتی اور سماجی زندگی میں عزت و وقار کی غلط قدروں کے ہوتے ہوئے کیصورت آپ لوگوں میں حقیقی اسلامی شعور کیسے اجاگر کر سکتے ہیں؟ جہاں حال یہ ہو کہ جملہ ذرائع ابلاغ بے حیائی و تشدد کا آوازہ بلند کر رہے ہوں، ریڈیو ٹی وی، فلم اور رسائل و جرائد پاکیزگی نفس اور اعلیٰ تعمیری سوچ پیدا کرنے کی بجائے گندگی ذہن اور خباثتِ قلب پھیلانے کا "فرضِ منصبی" برسرِ عام ادا کر رہے ہوں۔ بازاروں میں کھلے عام عورت کو "شو پیس" کے طور پر پیش کیا جاتا ہو کوئی اشتہار اسوقت تک مکمل نہ سمجھا جارہا ہو کہ جب تک عورت کی جاذبیت و کشش کے سارے رنگ اس میں زیادہ سے زیادہ حد تک بھر نہ دیے جائیں پھر جس ملک کے بعض سینماؤں میں انتہائی قابلِ مواخذہ لچر فلمیں پورے دھڑلے کے ساتھ دکھائی جاتی ہوں۔ جہاں بعض بدقماش جلبِ زر کی خاطر وی سی آر کے ذریعے لوگوں میں جرائم بے غیرتی پھیلا رہے ہوں اور مختصر یہ کہ چاروں طرف سے حیا باختگی کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو، وہاں اگر آپ پوری قوتِ نافذہ رکھنے کے باوجود بھی ان چمکتی آنکھوں، اور خاموش و بولتی زبانوں کی حقیقی بنیادوں پر اصلاح نہیں کرتے۔ بلکہ محض زنا آرڈیننس نافذ کر کے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ آپ نے دین کی بڑی خدمت سرانجام دی ہے اور تنفیذِ اسلام کا ایک بڑا مرحلہ (اخباری سطح کی حد تک) طے کر لیا ہے تو حالات و مقتضیات کے تناظر میں اگر کسی صاحبِ نظر کی رائے لی جائے تو نرم ترین الفاظ میں صرف یہی کہا جاسکے گا کہ

ع دل کے بہلانے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے!

اس کی مثال تو ایسی ہے کہ آپ جلتی ہوئی آگ پر رکھے ہوئے پانی میں برف ڈالتے چلے جائیں، اور پھر حیران ہوں کہ پانی ٹھنڈا کیوں نہیں ہوتا؟ جس ریاست کی پولیس کا یہ حال ہو کہ ظلم و جبر کی وہ کونسی منزل ہے کہ جہاں تک اس کی رسائی ممکن نہیں اور رشوت جیسی لعنت جس کی گھٹی میں پڑ چکی ہے، وہاں اگر اس ناسور کا بڑا اپریشن کیے بغیر حدود و تعزیرات کے نفاذ میں تفتیش و تحقیق کے لیے اسی ادارے کو ہی دست و بازو بنایا جائے تو ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ اسے اسلام کے نظام تعزیرات کو بدنام کرنے کی ایک لاشعوری کوشش نہیں سمجھا جائے گا؟

اس کے علاوہ جس معاشرے میں اقتصادی عدم توازن اعتدال کی حدوں کو پھلانگ چکا ہو اور تمام ذرائع ابلاغ بلاواسطہ و بالواسطہ سوسائٹی کے غریب و امیر طبقوں کے مابین موجود وسیع خلیج کو نمایاں کرنے میں پیش پیش ہوں، وہاں اسلام سے متصادم بے مغز مگر بظاہر معاشی مساوات

کے علمبردار نظریات کو پاؤں پھیلانے سے کیسے روکا جاسکے گا اور بدعنوانی کے بہتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھنا کیسے ممکن ہوگا؟

پھر جس ملک کے اندر بننے والی فلموں کی غالب اکثریت انتقام اور قتل و بہیمیت کے موضوعات پر مبنی ہو اور دیسی و بدیسی۔ غیر از شعائر دین فلموں کے ذریعہ چوری، ڈاکہ اور قتل جیسے قبیح افعال کو دلربا انداز میں پیش کیا جاتا ہو وہاں اگر چوری، ڈاکہ اور بربریت پر مبنی واردات قتل میں روز افزوں اضافہ ہو تو اس میں حیرانی کی چنداں کوئی علامت نہیں پائی جاتی! اور پھر اگر بغیر کسی ابتدائی اصلاح اسی حالت میں حدود و دیگر شرعی سزائیں نافذ کر دی جائیں تو دین اسلام کی حقیقی روح اور انصاف کے بیّن نقطۂ نظر سے یہ کوئی خدمت اسلام نہیں ہو گی۔ بلکہ اس کا بالآخر نتیجہ موجودہ دَور کے لیے اسلام کی فعالیت کے بارے میں تشکیک و ریب کے تاثرات کے پھیلاؤ کی صورت ہی نکلے گا!

پھر جس مملکت میں ٹیکسوں کا ایک ایسا غیر منصفانہ نظام رائج ہو کر دیانت دار لوگ بھی اس کی ضربوں سے بچنے کے لیے خود کو جھوٹ بولنے پر مجبور سمجھیں، وہاں سچائی کی عظمت کا نقش کیسے ابھر سکے گا، جہاں سامانِ تعیش کی بے محابا درآمد کو ملکی ترقی اور مصنوعی چمک دمک کے لیے ضروری قرار دے دیا گیا ہو، جس سوسائٹی میں دنیوی عزت اور پاس ناموس کی ساری کی ساری اساس دولت کی کثرت میں مرتکز ہو کر رہ گئی ہو اور اللہ کے بندوں کو تقویٰ و پرہیزگاری اور علم و فہم کی بجائے معیار زندگی اور بنک بیلنس کے ترازو میں تولا جاتا ہو وہاں اگر طرز زندگی بدلے بغیر اور اصلاح کے ٹھوس زینوں پر قدم رکھنے سے پیشتر اسلام کا باہم نہایت مربوط ضابطۂ حیات بغیر کسی ربط کے ٹکڑوں ٹکڑوں میں، نافذ کرنے کی کوشش کی جائے گی، تو اس کے خاطر خواہ نتائج کبھی نہیں نکل سکتے۔

دراصل نصب العین کے حصول کے لیے ایک واضح مرحلہ وار اور قابل عمل منصوبہ بنایا جانا چاہیئے تھا کیوں کہ اصلاح کی اولین منزل ایک ایسی فضا کا قیام ہوتا ہے جس میں بدی اور گناہ کی طرف جانے والے راستے دشوار اور نیکی و بلند کرداری کی تحصیل میں آسانیاں و عزت کے سامان رکھ دیے جائیں، لوگوں کے سوچنے کا انداز ہی بدل دیا جائے اور اجتماعی طور پر تعمیر کے لیے وحدتِ فکر پیدا کیجائے۔ مگر ان بنیادی مقاصد کے حصول کے لیے حکومت کو ہمہ جہتی سطح پر کوشش کرنا پڑتی ہے اور اس کوشش میں فعال ترین اور ہمہ وقت جو کسی و نگرانی کا کردار خود سربراہِ مملکت ادا کرتا ہے تاہم اصل کام شروعات سے پیشتر یہ ابتدائی سٹیج اس وقت تک تیار نہیں ہو سکتا جب تک ذرائع ابلاغ و اشاعت میں ایسی انقلابی تبدیلیاں نہ کی جائیں کہ جو دباؤ اور نا روا گھٹن پیدا کیے بغیر معاشرے میں ایک صحت مند عمومی اخلاقی حالت کی تیاری کا باعث بن سکیں لہٰذا یہ ایک لابدی ضرورت تھی کہ ایک ایسی مربوط و موثر پالیسی ڈیکلر (DECLARE) کی جاتی کہ جس کے مکمل نفاذ کے بعد بے حیائی بہیمیت اور سفلی ترغیبات کی اشاعت و پھیلاؤ کو زبردست تحدیدی اقدامات

کے ذریعے معدوم کر دیا جاتا اور بداخلاق، ژولیدہ ذہن اور بزعمِ خود غلط عناصر سے سختی کے ساتھ نمٹنے کا ایک محکم و پائیدار نظام قائم ہو جاتا!

تفصیلات و جزئیات سے گریز کرتے ہوئے اب ذیل میں ہم یہاں اس مجوزہ پالیسی کا ایک اجمالی ڈھانچہ پیش کرتے ہیں کہ جس کا نفاذ پیش آمدہ حالات کے اندر کم از کم درجے میں ناگزیر کی حیثیت رکھتا تھا اور جسے معاشرے کے انتہائی اخلاقی بگاڑ کو آئیڈیل اسلامی ماحول میں تبدیل کرنے کی خاطر ایک درمیانی واسطے کے طور پر اپنائے بغیر چارہ نہیں تھا ـــــــ چنانچہ حکومت کی جانب سے نفاذ کی نیتِ محکم کے ساتھ اعلان کیا جاتا کہ :-

اولاً :- رومانس، انتقام و تشدد اور طبقاتی تعصب کے موضوع پر کوئی بھی فلم نہیں بنائی جا سکے گی۔

ثانیاً :- جرم و سزا اور پُراسرار کہانیوں کے انعکاس کو کسی صورت برداشت نہیں کیا جائے گا۔

ثالثاً :- غیر ملکی فلمیں درآمد نہیں کی جائیں گی الّا یہ کہ کسی خاص ٹیکنیکل یا اچھوتے موضوع پر بے حیائی سے پاک کسی فلم کی نمائش حکومت کی خاص اجازت سے کی جائے۔

رابعاً :- کسی بھی اشتہاری فلم میں عورت سرے سے نہیں لائی جا سکے گی۔

خامساً :- کسی بھی دستاویزی یا فیچر فلم میں کوئی عورت کسی بھی کردار میں غیر ساتر لباس میں پیش نہیں کی جا سکتی اور مزید یہ کہ اوڑھنیاں (دوپٹے) اپنے صحیح ترین مصرف میں آ رہی ہوں۔

سادساً :- کسی بھی فلم میں شراب، جوا، رقص اور RAPE کے سین نہیں دکھائے جا سکتے۔ نیز کوئی بھی کردار اخلاق سے گرے ہوئے بے حیا رویے کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔

سابعاً :- کسی بھی فلم کا کوئی بھی نغمہ لچر مضامین سے بالکل مبّرا ہو گا بلکہ اس کے برعکس اس میں اسلامی و ملّی تاثر اور مشرقی روایات کا رنگ مثبت طور پر جھلکتا ہونا چاہیے۔

ان مذکورہ بالا نواہی کے علاوہ صرف ایسی فلموں پر ہی ملک و ملّت کا سرمایۂ کثیر صرف کرنے کی اجازت ہو گی جن کا بنیادی مقصد لوگوں کو اپنے اسلاف کے صحیح کارناموں یا اعلیٰ کردار سے واقف کرانا، تقویٰ و پرہیز گاری کی اہمیت دل چسپ کہانی کے پیرائے میں اجاگر کرنا اور دین و ملک کے لیے جذبۂ جہاد بیدار کرنا ہو گا۔ یا پھر گھریلو و معاشرتی زندگی کے گوناگوں مسائل کے حوالے سے اسلامی احکامات و شعائر کے بیاق میں اعلیٰ اخلاقی رویّوں کا درس ایک فرضی مگر حقیقی زندگی کے قریب ترین قصّے کی صورت، مختلف کرداروں کے طرزِ عمل کے ذریعے دینا ہو گا۔

ٹی۔ وی کے لیے یہی پالیسی حکومت کے براہِ راست کنٹرول کے باعث زیادہ چابکدستی کے ساتھ اپنائی جا سکتی تھی اور اس موثر ترین میڈیا کے ذریعے مثبت و تعمیری ماحول پیدا کرنے میں کامیابی کے راستے اور کشادہ ہو جاتے۔ اسی طرح ریڈیو کو بھی راہ نما اصول وضع کر کے دیئے جا سکتے تھے جن کی تعمیل کی صورت "پڑکوں" اور لغو نغموں کی بجائے نئی نسل کے کانوں میں اسلامی و اخلاقی نقطۂ نگاہ سے بہتر و مفید شیرینی گھولی جا سکتی تھی۔ پھر رسائل و جرائد کے ضمن میں اصلاح کی ابتدا فلم اور فلمی ستاروں کے سکینڈلز (SCANDALS) پر مبنی تمام صحافت پر مکمل پابندی سے ہوتی۔

کوئی رسالہ واخبار دیومالائی کہانیاں، جرائم کی ترغیب آمیز داستانیں اور جنسیت زدہ مواد شائع کرنے کا مجاز نہ ہوتا۔ اور نہ کوئی دوکاندار اس نوع کا ملکی وغیر ملکی، فلمی یا تصویری سامان فاسد نہ بیچ سکتا۔

علاوہ ازیں بازاروں میں "رونق افروز" اشتہاری بورڈ یا کسی دکان پر آویزاں کوئی تصویر کسی بھی خاتون کو کسی بھی حوالے سے expose نہ کر رہی ہوتی اور نہ ہی کوئی شخص ویسی وبدلیسی بے ہودہ نغموں کے ریکارڈز اور کیسٹ فروخت کرنے کا کاروبار چلا سکتا۔

مذکورہ بالا بندشوں کے ساتھ ساتھ قوم کو ایک نئے اور عظیم انقلاب، زندگی سے آہستہ آہستہ اور پہلو بہ پہلو روشناس کرانا اور اس کی نفسِ عظمت و برتری کا نقش عوام کے ذہنوں میں بڑی عمدگی سے ساتھ بٹھانا، جملہ ذرائع ابلاغ واشاعت کا مقصد قرار دیا جاتا۔ مزید برآں دین اسلام جیسی نعمتِ عظمیٰ سے اکتساب فکر وعمل کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی حلاوتوں اور زندگی کے وسیع کینوس پر بکھرنے والے خوبصورت رنگوں کو مختلف دلکش طریقہ ہائے تعلیم وتمثیل کے ذریعہ عوام کے سامنے پیش کیا جا سکتا تھا جس سے ان کی آتش شوق بڑھتی اور ذہن ایک نئے طرز زندگی کو اپنانے کے لیے تیار ہو جاتے!

ابلاغ عامہ کے ذریعے مجموعی اخلاقی حالت کی درستگی اور تیاریٔ ذہن کے اس عمل کے ساتھ دوسرے معاشرتی روگ سمجھنا اور اُن کے صحیح علاج پر پوری توجہ دینا بھی ایک انتہائی ضروری امر تھا اور علاج کے اس مربوط پروگرام کا نقطۂ آغاز شعبہ پولیس سے ہونا ایک لازمی تقاضا! یہ ہماری سوچی سمجھی رائے ہے کہ چاہے کتنی ہی مراعات کیوں نہ دے دی جائیں اور چیکنگ کا انتظام کتنا ہی فعال کیوں نہ ہو۔ موجودہ پولیس سے من حیث المجموع خیر کی توقع رکھنا ایک عبث فعل ہی ہو گا۔ وجہ یہ ہے کہ ایک لمبے عرصہ کے غلط نظامِ کار کی بدولت ایسی علّتیں اس کے مزاج میں راسخ ہو چکی ہیں کہ اب دین کے نظامِ عدل کو نافذ کرنے کے لیے ایک بہت بڑے آپریشن کی ضرورت اور ایک نئی اٹھان کی احتیاج ناگزیر کے درجے میں داخل ہے۔

لہٰذا اسلام کے پورے کے پورے نظامِ عدل وقسط اور خاص طور پر شرعی حدود کے نفاذ سے قبل ضروری تحقیق وتفتیش کے لیے انتہائی مناسب وموزوں تعداد پر مشتمل (جس کا اپنا الگ کیڈر سسٹم ہو) ایک نئی پولیس باڈی تیار کی جاتی اس نئی باڈی کے تمام کیڈرز کے لیے تعلیمی شعور، دینی فہم اور اخلاقی کردار کا معیار سخت کڑا رکھا جاتا اور اس کے چناؤ کو مختلف مرحلہ وار باریک چھلنیوں میں سے گزار کر پورا کیا جاتا نیز اس میں ذہین اور اعلیٰ خاندانی افراد کی کشش کے لیے باعزت و پروقار گزران پر مبنی تنخواہوں کا ایک الگ گریڈ سسٹم اپنایا جاتا۔ اور طمانیت بخش مراعات مہیا کی جائیں!

پھر مخصوص اوصاف کی حامل منتخب کردہ اس نئی تنظیم کو قرآن وسنت کے مطلوبہ معیارِ کردار میں رنگنے اور جرائم کی تحقیق وتفتیش کے لیے اعلیٰ درجے کی فنی مہارت پیدا کرنے کی

خاطر خاص طور پر وضع کی گئی۔ ایک الگ اکیڈمی میں دو سال کی تربیت دی جاتی۔ اور اس بھرپور ذہنی و جسمانی تربیتی مرحلہ سے گزرنے کے بعد جو افراد کامیاب نکلتے ان میں مومنانہ فکر و کردار کی ایک نمایاں جھلک ضرور نظر آ رہی ہوتی۔ اب اس مرحلہ پر دوسری طرف ایک ضرب کاری لگانے کا موقعہ آ جاتا۔ چنانچہ پہلے سے موجود ساری پولیس نفری میں سے آفیسر کلاس میں دو تہائی اور ماتحت کلاس میں نصف افراد کو پنشن دے کر فارغ کر دیا جاتا (کیونکہ فی الحقیقت اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔) اور اس جبری ریٹائرڈ طبقے کے چناؤ کا کام نہایت دیانتدار، باصلاحیت اور قابل اعتماد وسیع مشنری سے لیا جاتا ان میں جن سے کم جرم سرزد ہوئے ہوتے انہیں کم سزا ملتی مگر جن کا اعمال نامہ بالکل سیاہ ہوتا انہیں ایک کھلی عبرت بنا دیا جاتا تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے وہ ایک ذہنی تازیانے کا باعث بنے رہیں۔ پھر موجود نفری میں آنے والی اس کمی کو نئی تیار شدہ پولیس سے پُر کر دیتے اور پچھلی باڈی میں سے بچ رہنے والوں کو بھی ایک سال کے اندر، چھ، چھ ماہ کی نئی تربیتی بھٹی میں سے گزار کر من حیث المجموع نئی تنظیم کی رہی سہی آلائشیں بھی دور کر دی جاتیں۔ اور ساتھ ہی ان کے لیے بھی نئی تنخواہ و مراعات کا نظام اپنا کر ساری پولیس میں یکتائی پیدا کر دی جاتی۔ اور یوں تین سال کے اس عرصہ میں پولیس کا ایک ایسا نیا اور مضبوط ڈھانچہ کھڑا ہو جاتا کہ جس کی دیانت، اعلیٰ اخلاق و کردار اور صلاحیتِ کار پر مکمل اعتماد کیا جا سکے۔

اس کے بعد اگر اس نئی تشکیل شدہ پولیس میں سے کوئی ذرا سا بھی راہ راست سے ہٹتا تو پرستش و تعزیر کا بے رحم کوڑا اس پر فوراً برستا۔ تاکہ شریعت کے سارے نظام عدل کو نافذ کرنے کے لیے اس بنیادی امدادی شعبے کی تمام چولوں پر امداد بحال رہے۔ اب جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ ان اضافی اخراجات کا بوجھ کس طرح اٹھایا جاتا تو جواباً عرض ہے کہ انہی تین سالوں میں نظام اسلام کی تیاری کی مہم کسی ایک شعبے تک ہی محدود نہیں رہنی چاہیے تھی۔ بلکہ اقتصادی و صنعتی میدان میں اگر بالغ نظری اور کسی طرف سے دباؤ میں آئے بغیر وسیع تر قومی مفاد میں راست و منصفانہ فیصلے کیے جاتے اور بدعنوانی و بددیانتی کے گندے نالے سخت مارشل لاء ریگولیشنز کے مثالی اطلاق سے بند کر دیئے جاتے۔ تو اللہ کے فضل و کرم سے ہمارا قومی بجٹ (جس کا اندازاً قریباً تیس فیصد قوم کے اجتماعی مفاد کی بجائے انفرادی و گروہی مفادات کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے) میں اتنی گنجائش ضرور نکل آتی کہ نئے مگر انتہائی ضروری اخراجات کی کفالت ہو سکے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ایک روشن حقیقت ہے کہ اللہ کے دین کے احیاء کے لیے نیک نیتی کے ساتھ کیا جانے والا کام اپنے اسباب و وسائل خود ہی پیدا کر لیتا!

بہ ایں ہمہ تیاری کے

انہی تین سالوں میں بعض دوسرے اقدامات کے ذریعے بھی قوم کا مزاج سطحی رُخ سے اعلیٰ و تعمیری رُخ پر ڈالا جانا ضروری تھا۔ چنانچہ اس عبوری عرصہ کے لیے اخلاقی جرائم، ظلم و تعدی

کی مختلف نوعیتوں اور لاقانونیت کی جملہ مکروہ صورتوں کو مارشل لاء کے سخت ضابطوں کی چکی میں ہر ممکن حد تک پیسنے کا کام جاری رہتا۔ تاکہ ملک میں امن وامان کی ایک خوشگوار فضا پیدا ہو اور جرائم پیشہ و دیدہ دلیر لوگوں کی طنابیں کسی جا سکیں! اعلیٰ اخلاقی اقدار کے فروغ اور بنیادی محرکات کے خاتمے کی غرض سے گھروں سے باہر نکلنے والی عورتوں پر شرعی ساتر لباس اور چادر کا استعمال لازمی کر دیا جاتا۔ ایک زبردست مہم کے ذریعے سمگلنگ کی بیخ کنی کر دی جاتی اور اس پر چیکنگ کا ایک مضبوط نظام برقرار رکھا جاتا۔ مکانوں کی تعمیر میں رقبہ و آرائشی میٹریل کے استعمال میں چند ضروری قدغنیں لگا دی جاتیں۔ ہر قسم کے غیر ضروری سامان تعیش کی درآمد پر سخت پابندیاں عائد کر دی جاتیں اور تمام ضروری مصنوعات اپنے ملک کے اندر ہی تیار کرنے کی ٹھوس بنیادیں رکھ دی جاتیں۔

پھر جدید دنیا اور اپنے دین کے اساسی نظریات کے جملہ تقاضوں کے ساتھ مطابقت رکھتا ہوا نیا تعلیمی ڈھانچہ اسی PREPARATION PERIOD میں کھڑا کیا جا سکتا تھا۔ نئے نظام میں درکار "حدود" کے سلسلے میں بالخصوص اور دوسرے امور میں بالعموم اسلامی فقہ کے اعتبار سے نئے قوانین کی تدوین کے علاوہ ماہر جج اور قاضی حضرات تیار کیے جا سکتے تھے (فقہ میں پبلک لاز میں اکثریتی مسلک اور پرائیویٹ لاز میں انفرادی مسلک کے اطلاق کا اصول ایک محکم روش کے طور پر اپنایا جاتا)۔

حکومت فرقہ بندی میں انتہائی حکمت و مؤثر قوت کے ساتھ قابل ذکر حد تک کمی کر سکتی تھی اور قوم کو منتشر گروہوں سے ملت واحدہ کی شکل (جس حد تک صحت مند خطوط پر ممکن ہے) دینے کا آغاز ہو جاتا۔ پھر شرک کے سوتے خشک کرنے میں مختلف النوع مدبرانہ اقدامات کے ذریعے کامیابی حاصل کی جا سکتی تھی سود کے خاتمے اور زکوٰۃ کے نفاذ کے لیے بہترین پالیسی کی مرحلہ وار ترتیب و تشکیل کی جا سکتی تھی۔ بیوروکریسی کی تربیت نو کے ذریعے انتظام مملکت کی یہ بنیادی اینٹ بھی درست زاویے پر رکھی جا سکتی تھی۔ اس کے علاوہ دفاعی نقطۂ نظر سے فوجی سطح پر بالخصوص اور قومی سطح پر بالعموم ذہن و عمل میں ایک انقلاب برپا کیا جا سکتا تھا۔

چنانچہ تین سال کے اس انتہائی توجہ و محنت طلب "ہوم ورک" کے نتیجے میں (حقیقت یہ ہے کہ ایک صاحب عزیمت و باصلاحیت حکمران کے لیے یہ کوئی ناممکن امر نہیں ہے) بنیادی وابتدائی تیاری اس کم از کم سطح پر ضرور ہو جاتی کہ پھر ہم اس جدید و ترقی یافتہ دور میں اسلام کے روشن و مکمل ضابطہ حیات کو بغیر کسی ذہنی تحفظ، ہچکچاہٹ، احساس کمتری اور اندرونی و بیرونی سطح پر مختلف پریشرز کی پروا کیے، فقط اللہ ذوالجلال کی رحمت اور اپنی نیک نیتی و ہمت کے بھروسہ پر پوری قوت نافذہ کیساتھ متعارف کروا سکیں۔

اگر ایسے ہو جاتا تو اس مخلصانہ جدوجہد کے نتائج اس قدر اثر انگیز نکلتے کہ اندریں حالات شاید ہم ان کا تصور بھی نہ کر سکیں۔ تاریخ ایک لمبی استراحت کے بعد اسلام اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے حوالے سے ایک نئی کروٹ لیتی اور اس سنہری دور کی نیو رکھی جا چکتی کہ جس کے انتظار

یں نہ جانے کتنی نسلیں اِس صفحہ ہستی سے معدوم ہوگئیں اور سنت اللہ اور قوانین فطرت کے محکم و اٹل تجربہ کی روشنی میں یہ بات قطعیت کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ پھر ہمارا ہر اگلا قدم دنیوی فلاح اور اخروی سرخروئی کی جانب ہی اُٹھتا، زمین اپنے خزانے اگلنا شروع کر دیتی اور آسمان سے فضل برستا ——— اور مختصر یہ کہ طویل تاریخی کوتاہیوں کا قرض ملتِ اسلام اِس دور میں، اس سرزمین پر چکانے کا آغاز کر دیتی! مگر وائے نصیب کہ شک و شبہ سے بالاتر اخلاص اور بلند عزائم رکھنے کے باوجود حقیقی تحصیل کامیابی کی کوئی ٹھوس منزل بھی طے نہیں کی جا سکی اور حصول مقاصد کی طرف جانے والے راستوں میں پائی جانے والی ساری کی ساری خلیجیں ابھی تک پاٹے جانے کے لیے کسی مردِ قلندر کے نعرۂ مستانہ کی منتظر ہیں۔ اب تو امید کا پھاہا ہی اس رستے ہوئے زخم کا مرہم بن سکتا ہے۔

دَر طلب کوش و مدہ دامنِ امید ز دست

دولتے ہست کہ یابی سرِ راہے گاہے

رفقاءِ تنظیم کے لئے ایک خوش کن خبر!

امیر تنظیم اسلامی - ڈاکٹر اسرار احمد اپنے دروس میں اکثر شیخ الہندؒ کے ترجمے اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے حواشی کا حوالہ دیتے ہیں - اور گاہے بگاہے رفقاء کو اس کے مطالعے کی تلقین بھی کرتے ہیں -

رفقاء کی سہولت کے لئے ادارے نے، قرآن کے وہ نسخے جن میں شیخ الہند کا ترجمہ اور علامہ عثمانی کے حواشی شامل ہیں، ایک محدود تعداد میں منگوائے ہیں - کراچی میں یہ نسخہ -/۱۰۰ روپے سے زائد قیمت پر دستیاب ہے جبکہ قارئین میثاق کے لئے یہ نسخہ -/۹۰ روپے میں ہدیہ کیا جائے گا۔ (علاوہ محصول ڈاک)

آفسٹ کاغذ، عمدہ طباعت اور پلاسٹک کا جزدان اس نسخے کی اہم خصوصیات ہیں - (میثاق کے پتے پر حاصل کیجئے)

رفتارِ کار

چار شہر ○ پانچ دن

(امیرِ تنظیمِ اسلامی کے جہلم تا بنّوں کے دورے کی اجمالی رپورٹ)

یہ بات اب کوئی نئی اور غیر معمولی نہیں بلکہ آئے دن کا معمول ہے کہ امیرِ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اندرون اور بیرونِ ملک دعوت الی اللہ، دعوت رجوع الی القرآن کے داعی کی حیثیت سے لوگوں کی طلب اور پیاس بجھانے کے لئے اکثر و بیشتر دورہ پر جاتے رہتے ہیں اور اب ان کا لاہور میں قیام نسبتاً کم ہی ہوتا ہے۔

اسی طرح کا ایک پانچ روزہ دعوتی سفر، پانچ ہی مقامات (جہلم، اسلام آباد، راولپنڈی، ٹیکسلا اور بنّوں) کے لئے ۵ فروری ۸۴ء کی دوپہر سے شروع ہو کر ۹ فروری کی شام کو مکمل ہوا۔

ابتدائی دو روز تک امیرِ محترم کے یمین و یسار کی حیثیت صرف بھائی عاکف سعید صاحب اور بھائی سعید اسعد صاحب کو حاصل رہی اور تیسرے روز سے (۷ فروری تا ۹ فروری) راقم الحروف کو بھی امیرِ محترم کی رفاقت میسر آئی۔

۵ فروری: ۵ فروری کو "پاکستان ٹوبیکو کمپنی" نزد جہلم، آفیسرز کالونی میں ایک مخصوص اجتماع سے امیرِ محترم کا خطاب تھا۔ جس کے بعد سوال و جواب کی نشست بھی تھی، واضح رہے کہ ہمارے لاہور کے ایک تنظیمی رفیق محترم جو لاہور کی کسی فرم میں — C.A کا کورس مکمل کر رہے ہیں، مذکورہ کمپنی میں سالانہ Audit کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے۔ (ظاہر بات ہے کہ کسی بھی واقعی اصولی فکر و نظر کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ وہ اوّلاً تو اپنے حامل کی زندگی میں عملی روپ دھارے اور پھر طبعی طور پر اپنے اطراف و جوانب کو متاثر کرے، گویا عمل کے ساتھ ساتھ ابلاغ و دعوت کا بھی مرحلہ آتا ہے۔ اور ایک مردِ مومن "الدین النصیحۃ" کے پیشِ نظر انفرادی عمل و دعوت کے ذریعے نصح و خیر خواہی کا فریضہ انجام دیتا رہتا ہے۔ یہ اصولی و انقلابی تنظیم کا خاصہ ہے کہ اس کے افراد اور رفقاء میں بتدریج یہ ارتقائی عمل محسوس بھی ہو اور ظہور پذیر بھی ہو۔ ورنہ وہ ایک انجمن یا ادارہ تو ہو سکتا ہے لیکن وہ اصولی و انقلابی تنظیم کے زمرے میں نہیں آتی۔

الحمد للہ! بعض ایسے رفقا بھی ہیں جو اصلاحِ ذات کے ساتھ ساتھ ہمہ وقت و ہمہ تن مطلوبہ فکر و جذبہ رکھتے ہیں۔ فکری و عملی جذبہ سے سرشار ہو کر اپنا انفرادی اور ذاتی تشخص کھو کر اجتماعی، اصولی اور انقلابی تشخص کے علمبردار بن جاتے ہیں۔ پھر وہ جہاں کہیں بھی ہوں، خواہ سفر ہو یا حضر، دن ہو یا رات، آرام ہو یا بے آرامی، اپنے مشن کو نہیں بھولتے، ان کے نزدیک وقت کا صحیح مصرف و عمدہ استعمال افراد اور معاشرہ کی اصلاح اور انقلاب ہوتا ہے — موصوف نے تفویض کردہ اور وقتی ذمہ داری کے ساتھ اصل اور حقیقی ذمہ داری کو نبھایا اور ممکنہ حد تک لوگوں تک دین کی بات پھیلائی اور پہنچائی۔ انہی کی مخلصانہ کاوش کا ثمرہ ہے کہ متعلقہ لوگ امیرِ محترم کی زبانی دین کے صحیح اور جامع تصوّر کو بالمشافہ سن سکے۔ اللّٰہم سب کو عملاً پیشقدمی کی توفیق بخشے۔

جملہ رفقائے تنظیمِ اسلامی سے یہ توقع بے جا نہ ہو گی کہ وہ خالص رضاءِ الٰہی اور اخروی احساسِ مسئولیت کے پیشِ نظر اپنی ذمہ داریاں اور وفاداریاں امکان بھر پوری کرنے کی کوشش کریں گے اور ہر رفیق اپنی جگہ پر فکر و نظر، علم و عمل اور تبلیغ و دعوت کا روشن مینار ثابت ہو گا — آمین یا رب العٰلمین!

۶ فروری: ۶ فروری بروز پیر بعد نماز عشاء اسلام آباد کمیونٹی سنٹر میں امیر محترم نے سورۃ تغابن کا درس قرآن حکیم دیا۔ ایمانیات ثلاثہ اور ایمان کے ثمرات کو وضاحت سے بیان فرمایا۔ درس تقریباً تین گھنٹے جاری رہا۔

واضح رہے کہ اسلام آباد کمیونٹی سنٹر میں، امیر محترم اگر پاکستان میں موجود ہوں تو ہر ماہ کے پہلے پیر کو، کافی عرصہ سے باقاعدگی سے درس قرآن دے رہے ہیں۔ اس دفعہ باوجود سخت سردی و بارش کے کمیونٹی سنٹر کا فرشی ہال پورا کھچا کھچ بھر گیا تھا۔ اللہ ہماری قوم کو توفیق دے کہ وہ شوق استماع سے آگے بڑھ کر شوق عمل کی بھی تکمیل کر ڈالیں۔ ورنہ خدشہ ہے کہ تعطّل وجمود اللہ کے حضور ناقابل تلافی جرم قرار پائے۔

۷ فروری بروز منگل: راقم الحروف آج صبح ۴ بجے راولپنڈی پہنچا اور بقیہ پروگراموں میں امیر محترم کا شریک سفر وحضر رہا۔ ۹ بجے صبح کے بعد سے ایک بجے دوپہر تک کا وقت اسلام آباد میں گزرا۔ راقم الحروف نے بھائی حافظ عاکف سعید صاحب کی معیت میں یہ وقت شاہ فیصل مسجد اور اس سے ملحقہ جامعہ اسلام آباد کو دیکھنے اور پھرنے میں گزارا۔

ایک بجے کے بعد سے نماز مغرب تک کا وقت امیر محترم نے محترم جناب اکرم واسطی صاحب کی رہائش گاہ، جو ان کے اسکول سے ملحق ہے میں گزارا۔ اس دوران راولپنڈی و اسلام آباد کے امیر محترم اور شکاگو امریکہ سے آئے ہوئے وہاں کے امراء سے ملاقاتوں کے علاوہ مقامی تنظیم کے رفقاء کی امیر محترم کے ساتھ خصوصی نشست بھی ہوئی جس میں دو نئے نوجوان رفقاء جو فی الحال کسی مقامی کالج میں زیر تعلیم ہیں، بیعت کر کے تنظیم میں شامل ہوئے۔ (اس موقعہ پر واسطی صاحب کی پر تکلف اور پر خلوص ضیافت و مروّت کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا) اس خصوصی نشست کے باوجود، مزید یک روزہ امیر محترم کے ساتھ خصوصی نشست کی ضرورت محسوس ہوئی، جس میں وقت بھی کھلا ہو اور رفقاء بھی پوری ذہنی تیاری کے ساتھ اس کا بھرپور فائدہ اٹھائیں، غالباً ۵ مارچ کو اس کا انعقاد ہوگا، امید ہے کہ رفقاء چھٹی لے کر تیار رہیں گے۔

اس اجتماع کی ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ فہیم صاحب جن کا تعلق دیر سے ہے اور خط وکتابت کے ذریعے تنظیم میں شامل ہوئے تھے، وہ پہلے سے امیر محترم کے منتظر تھے آج انہوں نے امیر محترم کے ہاتھ پر واسطی صاحب کے گھر میں بیعت کی اور امڈتے ہوئے جذبات اور رقت قلبی کے ساتھ مزارعت اور ذاتی بیمہ سے رجوع کرنے کا عزم کیا اور ساتھ ہی امیر محترم سے تنظیمی دعوت جو وہ خود بذریعہ کیسٹ و تنظیمی لٹریچر سے سمجھ چکے ہیں بصورت درس قرآن و خطاب آگے پہنچانے کی اجازت مانگی جو مل گئی۔

بعد نماز مغرب یہ مختصر سا قافلہ ٹیکسلا انجینئرنگ یونیورسٹی کی جانب رواں دواں ہوا جبکہ مغرب سے قبل آٹھ دس مقامی رفقاء تنظیم، مکتبہ و کیسٹس سوز وکی وین پر لے کر ٹیکسلا روانہ ہو گئے تھے۔

اتنا عرض کرتا چلوں کہ ٹیکسلا انجینئرنگ یونیورسٹی میں امیر محترم کے خطاب کے پروگرام کے سلسلے میں اگرچہ وہاں کی اسلامی جمعیۃ طلباء کی خواہش کا زیادہ تر عمل دخل ہے لیکن اس سلسلہ میں فیصلہ کن کردار بھائی سعید اسعد صاحب کا ہے جنہوں نے مذکورہ یونیورسٹی سے سول انجینئرنگ میں B.E کیا ہے اور اب وہ تنظیم اسلامی میں شامل ہیں۔ اس سے پہلے اسلامی جمعیۃ طلبہ سے متاثر تھے۔ موصوف امیر محترم کے دوہرے رشتہ دار بھی ہیں یعنی داماد اور سگے بھتیجے۔ اور ایک تیسرا رشتہ بھی ہے جو ہمارے نزدیک سب سے اہم ترین ہے وہ یہ کہ نظری وفکری اور عملی اعتبار سے غلبۂ دین کے لئے ہمارے رفیق سفر ہیں۔ سعید اسعد صاحب لاہور سے بنوں اور بنوں سے واپس لاہور تک اپنی گاڑی کی معیت امیر محترم کے رفیق سفر رہے اور بھائی عاکف سعید صاحب کے تعاون سے بیشتر راستہ ڈرائیونگ کی خدمات انجام دیں۔ اس اعتبار سے مجھ پر ان کا شکریہ ادا کرنا اخلاقاً واجب ہے۔

جوں ہی ہماری گاڑی انسٹی ٹیوٹ کے احاطہ میں اقبال ہال پہنچی، جہاں پہلے سے موجودہ یونین کے زیر اہتمام مشاعرہ جاری تھا، طلباء نے امیر محترم کی آمد پر پرجوش اور جذباتی نعروں سے استقبال کرتے ہوئے خوش آمدید کہا اور لاؤڈ اسپیکر پر مہمان گرامی کی آمد کی اطلاع کی، اگرچہ انسٹی ٹیوٹ میں پہنچنے سے قبل راولپنڈی میں طلباء کے مابین کشیدگی اور نازک صورتحال کا علم ہو گیا تھا اور مشاہدہ سے بھی اس کی تصدیق و توثیق ہو گئی۔ مگر الحمدللہ کہ ۲ گھنٹے کے بھرپور خطاب کے دوران نہ تو کوئی ناخوشگوار واقعہ سامنے آیا اور نہ ہی بدمزگی و انتشار

کی سی کیفیت بلکہ اس پورے عرصہ میں جملہ طلباء اپنے اساتذہ و پرنسپل صاحب سمیت پرسکون اور ہمہ تن متوجہ رہے۔ امیر محترم نے جہاد اور انقلاب کے مراحل پر مربوط گفتگو فرمائی جس پر پرنسپل صاحب کے علاوہ طلباء کا بھی یہی تاثر تھا کہ ایسے موضوعات پر بیسیوں افراد نے اس سے قبل یہاں اظہار خیال کیا مگر آج کا خطاب ان سب میں منفرد اور مدلل و محکم تھا۔ اقبال ہال کی نہ صرف جملہ نشستیں پر ہوگئیں بلکہ اسٹیج سے لے کر جملہ اطراف و جوانب طلباء سے بھر گئے۔ جسے بھی جہاں جگہ ملی وہ وہیں بیٹھے یا کھڑے ہو کر شوق استماع پورا کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب میں سچا جذبہ و شوق عمل پیدا فرمائے۔ آمین

۱۱ بجے فارغ ہوئے تو منتظمین جلسہ نے کھانے کا بندوبست بھی کر رکھا تھا۔ اس سے قبل پہنچنے پر بھی انہوں نے چائے وغیرہ سے ہماری تواضع کی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان مخلص ساتھیوں کو جزائے خیر دے اور یہی دینی جوش و جذبہ برقرار رکھے۔ لگ بھگ بارہ بجے رات کو طلباء نے ہمیں الوداع کہا اور ہم منزل مقصود بنوں کی جانب رواں دواں ہوگئے۔ پشاور سے ہوتے ہوئے ہم پونے تین بجے رات کو کوہاٹ کی حدود میں داخل ہوئے تو آگے اپنے کوہاٹ کے متوقع میزبان ڈاکٹر محمد مطیع اللہ صاحب کو اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ مسلح منتظر پایا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کوہاٹ شہر میں رات کو گھروں سے باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ چونکہ بعض قبائلی لوٹ مار اور اغواء کی وارداتوں میں مشغول رہتے ہیں۔ یہی کیفیت بنوں شہر جا کر بھی معلوم ہوئی کہ پیسے بٹورنے کی خاطر مالدار اور پُرامن شہریوں کو دن دہاڑے کچھ قبائلی اغواء کر کے لے جاتے ہیں۔

۸ فروری بدھ : ہمارے میزبان محترم ڈاکٹر محمد مطیع اللہ صاحب نیک سیرت و کردار اور عمدہ اخلاق و دینی جذبہ کے حامل ہیں جن سے امیر محترم کی پہلے سے کوئی واقفیت نہیں ہے بلکہ تعارف محض ماہنامہ "میثاق" کے توسط سے ہوا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ موصوف نے اپنے اقرباء اور معززین شہر کو اپنے یہاں امیر محترم کی آمد کی اطلاع اور ملاقات کی دعوت دی تو اکثر نے بقول ان کے "محض بڑ" سے تعبیر کیا۔ مگر جب یہ بات حقیقت نکلی تو جملہ حضرات کو امیر محترم سے ملاقات کر کے تعجب اور دلی مسرت ہوئی۔ ہمارے میزبان محترم کے گھر سے متصل بڑی مسجد میں نمازیوں کے اصرار و تقاضے پر امیر محترم نے صبح کی نماز کی امامت کی اور ناشتے پر ہمارے ساتھ معززین شہر نے بھی شرکت کی اور دوبارہ باقاعدہ آنے کی دعوت دے کر بصد اشتیاق و اصرار وقت مانگا۔ بغرض ملاقات آنے والے حضرات میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں: ریٹائرڈ کرنل صاحبزادہ صادق نور صاحب، جناب ڈپٹی عاشق نور ریٹائرڈ پرنسپل، جناب محمود شوکت صاحب، جناب حاجی حنیف شاہ اور کوہاٹ کینٹ بورڈ کے وائس چیئرمین جناب رؤف شاہ صاحب۔

۹ بجے صبح جب ہم بنوں شہر کے لئے روانہ ہوئے تو صاحب خانہ جناب ڈاکٹر محمد مطیع اللہ صاحب کے ہمراہ چند دیگر افراد ہمیں الوداع کہنے کے لئے کوہاٹ شہر کی حدود سے باہر تک ہمارے ساتھ آئے (فجزاھم اللہ احسن الجزاء)

کوہاٹ سے روانگی سے قبل کوہاٹ سے امیر محترم نے استاذ مکرم مولانا الطاف الرحمٰن صاحب سے ٹیلیفون پر بات چیت کی اور انہیں اپنی کوہاٹ موجودگی اور بنوں کی طرف روانگی کی اطلاع دی۔ استاذ محترم نے فرمایا کہ ہم بنوں شہر سے باہر آپ کا انتظار کریں گے۔ جب ہم قصبہ ڈومیل پہنچے جو بنوں شہر سے تقریباً ۱۰ کلومیٹر پہلے آتا ہے تو ہم نے کالج بس کی موجودگی میں نوجوان طلباء کا ہجوم دیکھا جو متجسس نگاہوں سے کسی آنے والے کے منتظر معلوم ہو رہے تھے۔ جو یقیناً امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہی تھے مگر عجیب اتفاق کہ ہم جھجکنے کے ساتھ رکے تو سہی مگر مولانا الطاف الرحمٰن صاحب کو ان میں نہ پا کر فوراً ہی چل پڑے۔ ایک دو میل بمشکل آگے بڑھے تھے کہ دس بارہ کاروں پر مشتمل ایک قافلہ مخالف سمت سے جاتے دیکھا۔ گمان تو ہمیں بھی تھا کہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے میزبان حضرات ہوں مگر ایک تو بارہ تیرہ کلومیٹر سفر ابھی باقی تھا اور دوسرے یہ کہ مقدمۃ الجیش یعنی پہلی کار میں استاذ مکرم مولانا الطاف الرحمٰن موجود نہ تھے۔ تاہم کسی درمیانی کار میں مولانا کو اور دیگر حضرات کو ہاتھ ہلاتا دیکھ کر ہم رک گئے۔ اتنے میں کالج اسٹوڈنٹس سے اوپر نیچے کھچا کھچ بھری ہوئی بس ہمارا پیچھا کرتی ہوئی آپہنچی۔ ہر طرف سے سوار اپنی سواریوں سے اتر کر معزز مہمان کی طرف پیشقدمی کرنے لگے۔ عجیب سماں اور ناقابل فراموش منظر تھا۔ جانبین میں اجنبی افراد کی ہستیاں تھیں مگر قربان جائیے پیغمبر آخر الزمان اور نبی عربی صلعم اور ان کے لائے ہوئے بیچے دین اسلام کے کہ باوجود اجنبیت

وغرابتِ وطنی وشخصی، اخوت ومحبت اور دینی جذبات کے مظاہرے ہو رہے ہیں۔ جانبین سے ہر شخص دوسرے سے بغل گیر ہو کر اپنی اسلامی ودینی محبت وخلوص کا احساس ویقین دلا رہا ہے، امیر محترم کا یہ استقبال محض دعوت رجوع الی القرآن کے سچے داعی وخادم کی حیثیت سے ہو رہا ہے۔ جس میں نعروں کے علاوہ Gun firing ہو رہی ہے۔ معززین شہر کے علاوہ طلباء کا جوش وخروش اور سچا اسلامی جذبہ دیدنی تھا، چہ جائیکہ مجوزہ پروگرام (یعنی کالج میں امیر محترم کا خطاب) پرنسپل صاحب کے اجازت نہ دینے پر منسوخ ہو چکا تھا باوجود اس کے طلباء نے اپنی دینی حمیت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اس ہنگامہ خیز استقبال اور خوش آمدید کے بعد۔ استقبالی قطاروں میں یہ قافلہ بنوں شہر کی طرف روانہ ہوا، اور بھرے بازاروں سے گزر کر امیر محترم بار ایسوسی ایشن کے احاطہ میں پہنچے راستے میں بنوں کے شہریوں نے ہاتھ کے اشاروں اور آنکھوں کی چاہت سے استقبال کیا۔

پروگرام کے مطابق ٹھیک گیارہ بجے دن امیر محترم کو بنوں بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرنا تھا مگر استقبال کی وجہ سے پونے گھنٹہ تاخیر ہو گئی، احاطۂ عدالت میں وکلاء اور جج صاحبان نے خوش آمدید کہا اور پھر پہنچتے ہی کارروائی کا آغاز ہو گیا۔ بار ایسوسی ایشن کے صدر نے معزز مہمان کا بنوں اور خصوصاً ان کی دعوت پر بار میں تشریف آوری کا خلوص بھرے جذبات ایمانی کے ساتھ شکریہ ادا کیا اور امیر محترم کو دعوت خطاب دی، امیر محترم نے Gathering کے مناسب حال "اسلام اور پاکستان" کے موضوع پر ۵۰ منٹ خطاب فرمایا جس میں قیام پاکستان کے محرکات کا تجزیہ پیش کیا اور نظریاتی مملکت کی سالمیت وبقاء اور جواز کے لئے "نفاذ اسلام" کو منطقی استدلال سے ثابت کیا، خطاب کے بعد چند افراد نے سوالات بھی کئے جن کے امیر محترم نے جوابات دیئے، وقت کی کمی کے باعث یہ سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔

اس کے بعد ہمیں مہمان خانے میں منتقل کر دیا گیا۔ اور میزبانی کا شرف پروفیسر جاوید اقبال صاحب اور جمشید اقبال صاحب نے حاصل کیا۔ بنیادی طور پر ہمارے میزبان اور دعوت کنندہ استاذ مکرم حضرت مولانا الطاف الرحمٰن صاحب تھے۔ جنہوں نے یہ سارا پروگرام جناب حضرت مولانا حاجی محمد صاحب جاذب اور دیگر علماء کرام کے تعاون سے ترتیب دیا تھا۔ اس موقعہ پر ہماری طرف سے جملہ حضرات جنہوں نے اس کارِ خیر میں دلچسپی اور عملاً حصہ لیا، شکریہ کے مستحق ہیں۔ خصوصاً مولانا الطاف الرحمٰن صاحب جو اصلاً تو اپنے کسی ذاتی کام کے لئے گھر (بنوں) تشریف لے گئے مگر محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ چند دن ذاتی مشاغل کے بجائے اس پروگرام کی نذر کر دیئے۔ فی الواقع انہوں نے جس جذبہ اور تندہی کا ثبوت دیا، اس سے محسوس ہوتا تھا کہ گویا وہ ہماری تنظیم اسلامی کے رفیق اور کارکن ہیں۔

بحیثیت استاذ قرآن اکیڈمی مولانا محترم کو ہمیں قریب سے اور کھل کر دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ ان کا کھرا پن، دوٹوک انداز، جرأت وبے باکی اور نصح وخیر خواہی کا جذبہ لائق تحسین وتقلید ہے۔ اس عرصہ میں جہاں مولانا محترم نے علماء حقہ، کی ترجمانی وطرفداری اور موقف کی معتدلانہ تعبیر وتاویل سے ہمیں متاثر کیا ہے وہاں کھلے دل کے ساتھ اخذ واعطاء اور افہام وتفہیم سے بھی کام لیا ہے۔ مولانا کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ وسیع اور کھلے ظرف کے ساتھ بات سنتے ہیں اور جرأت واستقامت کے ساتھ استدلال واستشہاد کرتے ہیں۔ صحیح بات مانتے بھی ہیں اور منواتے بھی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اگر احساسِ مسئولیت کا جذبہ انسان کے باطن میں کار فرما ہو تو وہ تعصب، حمیت جاہلیہ اور اختلاف برائے تفرقہ سے بالقصد احتراز کرتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ دو دھارے جن میں عملاً تا حال بعد المشرقین موجود ہے۔ باہم مل کر خالصتاً لوجہ اللہ، اقامت وغلبہ دین کی مشترکہ ومتحدہ جدوجہد کریں تو بلاشک وریب یہ امتِ مسلمہ کی صلاح وفلاح کی بڑی خدمت ہو سکتی ہے۔

باقی صوبوں کی نسبت صوبہ سرحد کے عوام کی اکثریت کی دین کے ساتھ عملی وابستگی علماء حقہ کی مخلصانہ مساعی کا واضح ثبوت ہے ویسے بھی بنوں شہر کے علماء کرام کے مثبت اور پُر خلوص طرزِ عمل کو دیکھ کر دل میں ان کے لئے عقیدت واحترام کے جذبات میں اضافہ ہوا اور آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی رضاء کے لئے ہمارے مابین انس ومحبت اور اشتراک واتحاد کے جذبات کو پروان

چڑھائے تاکہ ہماری اجتماعی و متحدہ قوت اس کے دین کی نصرت اور اس کے اعداء کی سرکوبی میں صرف ہو۔ (آمین)

دوپہر کا کھانا پروفیسر صاحب کے ہاں کھایا اور رات کا کھانا اور قیام بھی انہی کے ہاں رہا۔ جب کہ صبح کا ناشتہ جناب بہاءالدین صاحب کے ہاں تھا جس میں انہوں نے علماء کرام، معززین شہر، بلدیہ بنوں کے چیئرمین اور کونسلر حضرات کو بھی مدعو کیا ہوا تھا۔ پروفیسر صاحب اور ان صاحب کے ہاں دعوت میں شریک ہو کر ہم نے سرحد کے مسلمانوں کی مہمان نوازی اور وجاہت کا خوب مظاہرہ دیکھا۔

نماز ظہر کے بعد جامع مسجد میلاد النبی میں امیر محترم نے 'عظمت قرآن' پر ایک گھنٹہ خطاب فرمایا۔ واضح رہے کہ اسی مسجد میں قائم دینی مدرسہ جس کے مہتمم جناب مولانا حضرت علی صاحب اور ناظم جناب مولانا حاجی محمد صاحب جاذب ہیں، کیلئے امیر محترم نے مدرسے کی خدمات و کارکردگی سن کر اپنے تاثرات بھی مہمانوں کے رجسٹر میں قلم بند کئے۔ اللہ تعالیٰ اس دینی مدرسہ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ خطاب سے قبل اور بعد امیر محترم کی علماء کرام کے ساتھ خصوصی نشست بھی ہوئی اور اسی طرح پروفیسر جاوید اقبال صاحب کے مکان پر جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے علماء کرام و دیگر معززین شہر کے ساتھ بھی بعد نماز مغرب تعارفی و مذاکراتی نشست رہی۔

بعد نماز عشاء امیر محترم نے جامع مسجد ٹانچی بازار، جس کے خطیب و امام جناب حضرت مولانا حاجی محمد صاحب جاذب ہیں، میں تقریباً ۱½ گھنٹے "ہماری دینی ذمہ داریاں اور انقلاب کے مراحل" پر گفتگو فرمائی اور اسی مسجد میں پھر صبح کی نماز کے بعد سورۃ آل عمران کی تین آیات ۱۰۲، ۱۰۳ اور ۱۰۴ کا درس قرآن دیا اور اس کے بعد سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔

امیر محترم کو بنوں دوبارہ تشریف لانے کی دعوت علماء کرام، معززین شہر اور نوجوان طبقہ نے بڑے اشتیاق و محبت کے ساتھ دی جس پر امیر محترم نے آمادگی ظاہر کی۔ ان شاء اللہ ماہ مارچ ۸۴ء میں کوہاٹ اور بنوں دونوں شہروں میں خطابات اور درس قرآن کے لئے امیر محترم تشریف لے جائیں گے۔

۹ فروری: صبح کے درس قرآن اور ناشتہ سے فارغ ہو کر ہم بنوں سے لاہور کی جانب عازم سفر ہوئے، واپسی پر مولانا الطاف الرحمٰن صاحب نے بھی بذریعہ کار بنوں سے لاہور تک سفر ہمارے ساتھ کیا۔ صبح نو بجے بنوں سے روانہ ہوئے۔ دوپہر کا کھانا میانوالی میں امیر محترم کے میڈیکل کالج کے ساتھی جناب ڈاکٹر محمد انور صاحب کے ہاں کھایا اور عصر کی نماز اور چائے گورنمنٹ کالج سرگودھا کے پرنسپل کے مکان پر پی اور اس طرح تقریباً ۹ بجے شب قرآن اکیڈمی میں سفر کا اختتام ہوا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مرتب: (حافظ) محمد رفیق، فیلو قرآن اکیڈمی !!

گوجرانوالہ میں ایک دن

۲۳ فروری جمعرات کو امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب طلبہ کی دعوت پر گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ میں تشریف لائے۔ آپ کو سننے کے لئے طلبہ اس طرح امنڈ کر آئے کہ آڈیٹوریم کی تنگ دامانی نمایاں ہو گئی۔ جب ہال میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی تو لڑکے سٹیج پر بیٹھنا شروع ہو گئے۔ اس موقع پر اپنے آگے بچھی ہوئی میز پر سے میز پوش اتار کر خود ڈاکٹر صاحب نے سٹیج پر بچھا دیا۔

بعض وجوہات کی بنا پر چونکہ طلبہ میں ایک بےچینی اور اضطراب سا تھا اس لئے خدشہ تھا کہ لڑکے خطاب سے پہلے یا خطاب کے دوران اپنے مخصوص لاابالی انداز میں نعرہ بازی کرنے لگیں گے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کی تقریر اوّل تا آخر پورے سکون و سکوت سے سنی گئی۔ پورا ہال سحر زدہ سا تھا۔ دین کی بات سننے میں نوجوان نسل کا یہ اشتیاق و انہماک بڑا خوش آئند اور امید افزا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا موضوع تھا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم بطور قائد انقلاب"۔ آپ نے فرمایا حضور صلعم نے جس بے مثل و بےمثال انقلاب کی قیادت فرمائی وہ ان چھ مراحل سے گزرا تھا۔ آج بھی اگر ہم اسلامی انقلاب چاہتے ہیں تو ان مراحل سے گزرے بغیر چارہ نہیں ـــــ اوّل دعوت، دوم تنظیم، سوم تربیت، چہارم صبر و مصابرت، پنجم اقدام اور ششم تصادم ـــــ لیکن یہ اس طرح نہیں ہے کہ ایک مرحلے سے گزر کر اسے بھلا دیا جائے۔ نہیں بلکہ یہ تمام مراحل ساتھ ساتھ ہی جاری رہتے ہیں۔

کالج میں خطاب کے بعد ڈاکٹر صاحب قریب ہی واقع جامع مسجد سٹیلائٹ ٹاؤن میں تشریف لے گئے۔ جہاں ظہر کی نماز کے بعد "ختم نبوت" کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ اگرچہ آپ کی گوجرانوالہ آمد کی تشہیر نہ ہو سکی تھی اور ویسے بھی یہ ایک کاروباری دن (Working day) تھا۔ لیکن پھر بھی سامعین کی اچھی خاصی تعداد مسجد میں چشم براہ تھی۔

ڈاکٹر صاحب نے معروف قرآنی آیت "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" کی بجائے "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" والی آیت مقدسہ کو اپنے استدلال کی بنیاد بنایا۔ اس طرح کہ مضمون اپنی تمام باریکیوں، نزاکتوں اور رعنائیوں کے ساتھ قلوب میں اترتا چلا گیا۔

آخر میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی دعوت پیش فرمائی جس پر بہت سے حضرات نے لبیک کہا۔ چنانچہ نمازِ عصر کے بعد 581/B سٹیلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ میں دس سے زائد اصحاب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تنظیم کے پرانے رفیق جناب شیخ عبداللطیف صاحب کو مقامی تنظیم کا ناظم مقرر کیا گیا۔ اور یوں گوجرانوالہ کا یہ کامیاب دورہ اختتام پذیر ہوا۔ گوجرانوالہ کے لوگ پھر ڈاکٹر صاحب کی جلد تشریف آوری کی امید رکھتے ہیں۔

مرتب ——— محمد یعقوب

حویلی لکھا۔ ۲۶۔۲۷ فروری ۱۹۸۴ء

مرتبہ: جلال الدین (رفیق تنظیم اسلامی)

۲۶ فروری کو صبح سوا گیارہ بجے ہم بذریعہ کار حویلی لکھا کے لئے روانہ ہوئے۔ اور تقریباً ۲ بجے حویلی پہنچے ——— کار سیدھی حویلی کے ٹاؤن ہال پہنچی۔ جہاں چیئرمین امداد حسین صاحب نے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا استقبال کیا۔ دوپہر کے کھانے کا اہتمام چیئرمین صاحب نے اپنے ہاں کیا تھا۔ اس کے بعد ہمیں لیاقت علی خان لودھی صاحب کی رہائش گاہ پر لے جایا گیا۔ جہاں ہمارے قیام کا انتظام کیا گیا تھا۔ نمازِ ظہر باجماعت ادا کرنے کے بعد تھوڑی دیر آرام کیا ——— نماز عصر ساڑھے چار بجے جامع مسجد بلقیسیہ میں ادا کی۔ اس کے بعد امیر تنظیم نے حویلی کے علمائے کرام، اساتذہ کرام، اخباری نمائندگان اور وکلاء حضرات سے مختصر خطاب کیا اور سوالات کے جواب دیئے۔ یہ سلسلہ مغرب تک جاری رہا۔

ڈاکٹر صاحب کا وہ مفصل خطاب جس کے لئے انہیں حویلی آنے کی دعوت دی گئی تھی چونکہ عشاء کے بعد تھا لہٰذا نماز مغرب کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اپنی قیام گاہ پر کچھ آرام کیا ——— رات کا کھانا بھی چیئرمین صاحب کے ہاں تھا۔ کھانے میں علماء حضرات، وکلاء، دیگر معززین شہر اور جلسے کے مہمانِ خصوصی جناب میاں منظور احمد صاحب وٹو چیئرمین ضلع کونسل اوکاڑہ بھی شریک تھے۔ نمازِ عشاء جامع مسجد بلقیسیہ میں ادا کرنے کے بعد ہم سب ٹاؤن ہال کے باہر جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ جہاں خصوصی جناب منظور احمد وٹو صاحب نے ابتداء میں ڈاکٹر صاحب کو خوش آمدید کہا اور تعارفی کلمات کہے۔ بعد ازاں رات ۹ بجے سیرت النبیؐ پر ڈاکٹر صاحب کا مفصل خطاب شروع ہوا جو تقریباً پونے بارہ بجے تک جاری رہا۔ یہ ایک بھرپور جلسہ تھا جس میں ایک اندازے کے مطابق ۳ ہزار مرد اور پانچ چھ سو سے زائد خواتین شریک تھیں ——— جلسہ گاہ کے باہر تنظیم کی کتابوں کا سٹال بھی لگایا گیا تھا۔

رات لودھی صاحب کے ہاں قیام کیا اور صبح فجر کے بعد امیر تنظیم نے جامع مسجد بلقیسیہ میں درس قرآن دیا۔ اور ہماری دینی ذمہ داریوں کو وضاحت سے بیان فرمایا۔ بعد میں سوال و جواب کی نشست ہوئی اور یہ سلسلہ ۹ بجے تک جاری رہا۔ اس موقع پر ۲۹ افراد نے امیر تنظیم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ انہی میں سے ایک صاحب کو ان کا ناظم بنا دیا گیا ——— بعد ازاں لودھی صاحب کے ہاں مزید دو افراد بیعت کر کے تنظیم میں شامل ہو گئے ——— ناشتے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اجازت مانگی اور لاہور کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس طرح حویلی لکھا کا یہ مختصر لیکن بھرپور پروگرام اختتام کو پہنچا۔

امیرِ تنظیم کا دورۂ پشاور

(۲۹ فروری تا یکم مارچ ۱۹۸۴ء)

موجودہ لیپ کے سال نے ماہ فروری میں ایک دن کا اضافہ کیا اور یہی اضافہ پشاور کے رفقائے تنظیم کے لئے خصوصی طور پر اور اہالیانِ پشاور کے لئے عمومی طور پر موجبِ خیر و برکت ثابت ہوا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ رفقائے تنظیم اسلامی کے اصرار پر اور جناب حاجی عبدالرشید صاحب کی دعوت پر امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور قیم تنظیم اسلامی جناب قمر سعید قریشی صاحب دو روزہ دورے پر پشاور تشریف لائے۔

امیر تنظیم اسلامی راولپنڈی سے بذریعہ کار اکوڑہ خٹک تشریف لائے جہاں پر انہوں نے مشہور عالم دین جناب مولانا عبدالحق صاحب سے ملاقات کی اور کچھ دیر قیام فرمایا۔ اکوڑہ خٹک نوشہرہ سے چند میل دور ایک بہت بڑا قصبہ ہے۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد یہاں پر مولانا عبدالحق صاحب نے ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھی جس کا شمار آج کل پاکستان کی عظیم دینی درسگاہوں میں ہوتا ہے۔ مولانا عبدالحق اور مولانا سمیع الحق صاحب سے ملاقات کے بعد امیر تنظیم اسلامی بعد دوپہر پشاور پہنچ گئے۔ اسی دوران قیم تنظیم اسلامی جناب قمر سعید قریشی صاحب براہِ راست راولپنڈی سے پشاور تشریف لائے اور اپنی آمد کے فوراً بعد تنظیم کے دفتر تشریف لے آئے جہاں تمام رفقاء پہلے سے موجود تھے اور تنظیمی امور کے بارے میں ایک اجتماع ہونا قرار پایا تھا۔ قیم صاحب کے پہنچتے ہی اجتماع کا آغاز ہوا۔ مجاہد نسیم صاحب نے تلاوت کی۔ اس کے بعد قیم صاحب نے اجتماعاتِ خصوصی و عمومی کی کیفیات اور دعوتی سرگرمیوں کے بارے میں استفسارات فرمائے اور چند ضروری ہدایات دیں۔ دفتر کی لائبریری کے لئے کتب اور دوسرے مالی معاملات پر گفتگو ہوئی۔ جبکہ راقم نے نومبر تا جنوری کی کارکردگی رپورٹ پڑھ کر سنائی۔

اس اجتماع کے لئے ۱۲ مختلف نکات پر مشتمل ایک ایجنڈا بھی بنایا گیا تھا جنہیں صلاح الدین صاحب (امیر پشاور) نے ترتیب وار پڑھا اور ان نکات پر بات چیت ہوئی۔ اس موقع پر لائبریری، بیت المال اور میثاق و حکمتِ قرآن وغیرہ کی تمام فائلیں اور رجسٹر وغیرہ قیم صاحب کو دکھائے گئے۔

یہ اجتماع تنظیمی اعتبار سے بہت کامیاب رہا۔ متعدد تنظیمی معاملات نمٹائے گئے اور دعوتی سرگرمیوں کے بارے میں بھی قیم صاحب نے تفصیلی ہدایات دیں۔

امیر محترم کا یہ مختصر دورہ بنیادی طور پر دو خطاب ہائے عام اور ایک سوال و جواب کی نشست پر مشتمل تھا۔ امیر محترم کا پہلا خطاب بعنوان "مسلمانوں کی دینی ذمہ داریاں" مرکز علوم اسلامیہ راحت آباد نزد پشاور یونیورسٹی ہونا قرار پایا تھا جس کے لئے عصر تا مغرب کا وقت مختص تھا۔ امیر محترم ٹھیک پونے پانچ بجے مرکز علوم اسلامیہ تشریف لے آئے۔ ادائیگی نماز کے بعد مولانا راحت گل صاحب بانی مدرسہ نے امیر محترم کا بڑے تپاک سے استقبال کیا اور آپ کو اوپر چھت پر لے گئے جہاں اجتماع کا انتظام کیا گیا تھا۔ امیر محترم نے سورۃ الحجرات کی آیات ۱۴ اور ۱۵ کا درس دیا اور پھر ان آیات کی روشنی میں اسلام اور ایمان کے مابین فرق واضح کیا اور ایمان کے لوازمات کی تشریح فرمائی۔ امیر محترم کا یہ خطاب سوا گھنٹے پر مشتمل تھا جسے تقریباً پانچ سو سامعین نے سنا جن میں اکثریت یونیورسٹی کے طلباء پر مشتمل تھی۔ مغرب کی نماز کے بعد مولانا راحت گل صاحب نے چائے وغیرہ کا انتظام کر رکھا تھا۔ جبکہ چائے کے بعد انہوں نے امیر تنظیم کو مدرسے کے مختلف حصے دکھائے اور بعد میں بڑی گرم جوشی کے ساتھ رخصت کیا۔

اجتماع کے دوران تنظیم کے رفقاء نے مدرسے کے گیٹ کے قریب مکتبہ بھی لگایا جس میں لوگوں نے کافی دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور خاصی تعداد میں کتب خریدیں۔

امیرِ محترم کا دوسرا خطاب بھی اسی دن یعنی ۲۹ فروری کو بعد نمازِ عشاء پشاور کی تاریخی مسجد مہابت خان میں تھا جس کا عنوان تھا "سیرتِ نبویؐ کا انقلابی پہلو"۔ امیرِ محترم عشاء کی نماز کے لئے مسجد مہابت خان تشریف لائے۔ نماز کے بعد مولانا اشرف قریشی صاحب خطیب جامع مسجد مہابت خان نے چند تعارفی کلمات ادا کئے۔ امیرِ محترم نے سب سے پہلے قرآنی آیات کی روشنی میں اسوۂ رسولؐ کی پیروی کی اہمیت کو واضح فرمایا۔ اس کے بعد حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کے انقلابی پہلو کی تشریح کی اور اقامتِ دین کے لئے حضورؐ کے کئے گئے انقلابی اقدامات کا مفصل خاکہ سامعین کے سامنے پیش کیا۔ امیرِ محترم کا یہ خطاب سوا دو گھنٹے جاری رہا جسے سننے کے لئے تقریباً ایک ہزار افراد مسجد میں موجود تھے۔ جنہوں نے بڑی توجہ اور دلچسپی کے ساتھ یہ خطاب سنا۔

یہاں پر حسبِ معمول تین مکتبے لگائے گئے جن میں لوگوں نے بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور کافی کتب خریدی گئیں۔ اس پر یونیورسٹی اور صدر روانگی اور واپسی کے لئے دو عدد بسوں کا بھی انتظام کیا گیا تھا جس کے لئے مرشکیل صاحب نے مالی اعانت کی۔

دوسرے دن ساڑھے دس بجے سوال و جواب کی نشست تھی جس میں تقریباً دو سو لوگوں نے شرکت کی اور امیرِ محترم کے خطاب کے علاوہ متعدد دوسرے امور کے بارے میں بھی انتہائی دلچسپ سوالات کئے گئے۔ یہ نشست دو گھنٹے تک جاری رہی۔ بعد ازاں تنظیم میں شرکت کے خواہش مند حضرات کو تنظیم کے دفتر پہنچنے کی تاکید کی گئی اور اس طرح یہ نشست اختتام کو پہنچی۔ امیرِ تنظیم مسجد سے رخصت ہو کر تنظیم اسلامی کے دفتر تشریف لائے۔

تنظیم اسلامی کے دفتر میں امیرِ محترم نے سب سے پہلے قرآن اور حدیث کے حوالے سے بیعت کے نظام کی تشریح فرمائی۔ اس کے بعد دس افراد نے تنظیم اسلامی میں شمولیت کے لئے امیرِ تنظیم کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر سب نے مل کر بارگاہِ خداوندی میں دعا استقامت کے لئے دعا کی۔ امیرِ محترم نے اس موقع پر رفقاء کو چند ضروری ہدایات اور مفید مشورے بھی دیئے۔

تنظیم اسلامی کے دفتر سے امیرِ محترم وقار بٹ صاحب کے گھر تشریف لے گئے۔ جہاں امیرِ تنظیم کے ساتھ ساتھ رفقاءِ تنظیم اور چند دیگر حضرات بھی مدعو تھے۔ کھانے اور نماز سے فراغت کے بعد حاجی عبدالرشید صاحب کی قیام گاہ پر واپس تشریف لے آئے۔ اس دورے کے دوران امیرِ محترم کی جائے قیام تھی۔ وہاں کچھ دیر آرام فرمانے کے بعد امیرِ محترم اور جناب قیم صاحب نے واپسی کی اور ساڑھے تین بجے لاہور واپسی کے لئے ہوائی اڈے کی جانب روانہ ہو گئے اور اس طرح امیرِ محترم کا پشاور کا یہ دورہ جو چوبیس گھنٹوں پر مشتمل تھا بخیر و خوبی اختتام کو پہنچا۔

امیرِ محترم کے اس مختصر لیکن جامع دورے کے نتیجے میں دس نئے رفقاء تنظیم میں شامل ہوئے اور اس طرح پشاور میں قافلۂ انقلاب کی تعداد اکتیس ہو گئی۔

اس دورے کے سلسلے میں اگر ہم حاجی عبدالرشید صاحب کا شکریہ ادا نہ کریں تو یہ بات احسان مندی کے خلاف ہو گی۔ حاجی صاحب نے نہ صرف امیرِ محترم کو دورے کی دعوت دی اور انتظامات کئے بلکہ اس دورے کے دوران تمام وقت ہمارے ساتھ رہے۔ اس دورے کے سلسلے میں ہم حاجی فقیر محمد صاحب اور حاجی راحت گل صاحب کے بھی مشکور ہیں۔ جنہوں نے یونیورسٹی میں امیرِ محترم کے پروگرام کو یقینی بنایا اور ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ مرتب : راجہ سردار احمد

قیم تنظیم اسلامی پشاور

پہلا پتھر

(امیرِ تنظیم اسلامی کا دورۂ کوہاٹ)

پشاور کے جنوب میں چالیس میل کی مسافت پر پہاڑوں کے دامن میں آباد ایک وادی کوہاٹ کے نام سے پہچانی جاتی ہے

کے پہلے ہفتے میں امیر تنظیم اسلامی نے بنوں جاتے ہوئے چند گھنٹے یہاں مختصر قیام کیا۔ مگر اس مختصر قیام کے دوران بھی اپنے عقیدتمندان کی ایک اچھی خاصی تعداد کو شرف ملاقات بخشا۔ فجر کی نماز کی امامت محلہ مسجد حمام میں کی اور اس بات کا وعدہ فرمایا کہ آئندہ ماہ کوہاٹ کے لئے وقت نکالیں گے۔ پھر وعدہ وفا ہوا اور ۶/ مارچ کی شام امیر تنظیم اسلامی کوہاٹ میں تھے۔ راقم کو میزبانی کا اعزاز حاصل ہوا —— خواہشمندانِ ملاقات استقبال کے لئے سرِ شام ہی راقم کے گھر منتظر تھے۔ امیرِ تنظیم نے نمازِ عشاء کے بعد شہر کی سب سے بڑی مسجد مسجد حضرت حاجی بہادرؒ میں خطاب عام فرمایا۔ اس خطاب سے مستفید ہونے کے لئے ہر طبقہ کے لوگ نہ صرف شہر بلکہ مضافات سے بھی پہنچے ہوئے تھے۔ یہ جلسہ مسجد کے تاریخی جلسوں میں سے ایک تھا جس کی صدارت کرنل صفدر پراچہ نے کی۔ امیرِ تنظیم کی تقریر ۲½ گھنٹے تک جاری رہی اور لوگوں نے بڑی توجہ اور عقیدت سے خطاب سنا۔ رات کا کھانا حاجی حنیف شاہ کے ہاں کھایا۔ یہاں پشاور سے آئے ہوئے تنظیم کے رفقاء بھی موجود تھے۔

۷/ مارچ کی صبح سے عقیدت مندوں کی حاضری اور ملاقاتیں شروع ہو گئیں۔ مختلف مسائل اور موضوعات زیرِ بحث آئے۔ ۱۱ بجے مقامی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کا پروگرام تھا۔ ٹھیک وقت پر بار روم پہنچے تو بار کے عہدے داران نے امیرِ تنظیم کا استقبال کیا۔ بار کے موجودہ صدر کی شخصیت پر اسلامی اعمال و کردار کا رنگ غالب ہے۔ صدر بار نے افتتاحی تقریر میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا خیر مقدم کرتے ہوئے انہیں شوریٰ سے استعفیٰ پر خراجِ تحسین پیش کیا۔ بعد ازاں امیرِ تنظیم نے وکلا سے ملکی قیام کے پس منظر اور موجودہ صورت حال پر روشنی ڈالی۔ آئندہ کے لئے لائحہ عمل پیش کیا۔ سوال و جواب کا سلسلہ بھی ہوا۔ وکلا کی جانب سے پُرتکلف چائے کا اہتمام بھی تھا۔ نمازِ ظہر کی ادائیگی کے بعد کھانے کی دعوت میاں خیل قبیلہ کے سربراہ جناب شوکت محمود کے گھر تھی جو کہ خود بھی ایک ریٹائرڈ پرنسپل ہیں۔ ۲ بجے شام امیرِ تنظیم نے خواتین کی ایک نشست سے خطاب کیا۔ اندازہ تھا کہ ۱۵۰ کے قریب خواتین جمع ہو سکیں گی لیکن سخت حیرت ہوئی جب ۵۰۰ کے قریب خواتین ٹھیک وقت پر پہنچ گئیں تھیں۔ ڈاکٹر صاحب کے عام فہم لیکچر اور سادہ طرزِ بیان سے خواتین بے حد متاثر ہوئیں۔ تقریر کے بعد سوالات بھی کئے گئے اور بعد میں مکتبہ سے کتب کی خریداری بھی ہوئی۔ جو کہ بے حد حوصلہ افزا بات ہے۔ شام کی چائے کے لئے برادرم منصور علی شاہ (مکینیکل انجینئر) نے دعوت دی ہوئی تھی۔ عصرانہ میں شرکت اور نمازِ عصر کے بعد حاجی حنیف شاہ صاحب کے ہاں سوال و جواب کی نشست تھی جس میں شہر کے پڑھے لکھے اور باشعور طبقے کو مدعو کیا گیا تھا۔ یہ نشست نمازِ مغرب تک رہی۔ نمازِ مغرب کے بعد امیرِ محترم نے کچھ آرام کیا اور پھر آئندہ پروگرام کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ موتی مسجد نیو کالونی میں نمازِ عشاء ادا کی۔ نماز کے بعد درسِ قرآن کا پروگرام تھا جو کہ ۱۰½ بجے شب اختتام پذیر ہوا۔ دعا کے بعد لوگوں نے یہاں بھی مکتبہ پر خریداری کی۔ رات کے کھانے کی دعوت کرنل ریٹائرڈ ڈاکٹر صادق نور کے ہاں تھی —— امیرِ محترم رفقاء کے ہمراہ دعوت میں تشریف لے گئے "۱۲ بجے اپنی قیام گاہ پر واپس تشریف لائے۔

۸/ مارچ کی صبح نمازِ فجر مسجد حمام میں ادا کی۔ نماز کے بعد لاچی کے سعادت سحر نے امیرِ محترم کے ہاتھ پر کوہاٹ میں پہلی بیعت کی۔ کئی عقیدت مند ملاقات کے لئے بھی آئے۔ اس دوران مزید آٹھ افراد اور تین خواتین نے امیرِ محترم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس دوران کیڈٹ کالج کوہاٹ اور ایک دینی مدرسہ کے منتظمین کی جانب سے خطاب عام کی دعوت آئی۔ لیکن ناسازیٔ طبع نے آج کے دن کے لئے خطاب کی اجازت نہ دی۔ اور اسے آئندہ کے لئے مؤخر کر دیا گیا۔ ٹھیک ۱۱ بجے دن امیرِ محترم اپنے رفقاء کے ہمراہ واپس پشاور روانہ ہوئے۔

محترم امیرِ تنظیم نے اپنے اس دورے میں اہلِ کوہاٹ کے دل پر اپنی دعوت اور شخصیت کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ اہلِ کوہاٹ آج بھی ان کی دعوت خصوصاً انقلاب اسلامی کے مختلف مراحل کے حوالے سے مختلف مجالس میں محوِ گفتگو ہیں۔ کسی داعی کی دعوت کا یہی پہلا اہم مرحلہ ہوتا ہے جہاں وہ اپنی بات کو Talk of the city بنا لیتا ہے۔

مرتب: ڈاکٹر مطیع اللہ شاہ۔ کوہاٹ

امیرِ تنظیم کا دورۂ سندھ

۱۷ فروری ۸۴ء بروز جمعۃ المبارک ہمارے شفیق بزرگ ڈاکٹر پروفیسر سرحن نورالٰہی صاحب کی صاحبزادی
میں ہوا۔ محترم ڈاکٹر نورالٰہی صاحب نہ صرف امیرِ محترم کے پرانے شفیق دوست ہیں بلکہ انجمن کے محسنین میں شامل ہیں
کہ امیرِ محترم ان کی صاحبزادی کے نکاح میں آنے کی دعوت کو انکار نہ کر سکے۔ اسی تقریب کے سلسلہ میں امیرِ محترم کا کراچی کا د
اس کے ساتھ ہی ایک پروگرام بورڈ آف ہائر سیکنڈری ایجوکیشن کراچی میں بعد نمازِ ظہر بتاریخ ۱۶ فروری رکھ لیا گیا۔ جس میں
نے سیرت النبیؐ کے جلسہ سے خطاب فرمایا اور اپنے مخصوص انداز میں سیرت النبیؐ کے انقلابی پہلو اور طریقِ کار کو مؤثر ط
سامعین پر واضح کیا۔ جمعرات ہی کو دفتر تنظیم کراچی میں امیرِ محترم کی رفقاء سے ملاقات کا اہتمام کیا گیا۔ اس میں آپ نے رفقاء سے
اور ایک سوال کے جواب میں امریکہ کے دورہ کے تاثرات بھی بیان فرمائے۔ دوسرے دن یعنی جمعہ ۱۷ فروری کو آپ نے
سوسائٹی کی گول میمن مسجد میں خطبہ نکاح سے پہلے خطابِ جمعہ فرمایا۔ آپ کی تقریر کا موضوع تھا "حکمت و احکام جمعہ"۔
میں صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے بھی شرکت فرمائی اور مکمل خطاب بڑے غور سے سماعت فرمایا۔ جمعہ کی نماز کے
نے خطبہ نکاح کی تفسیر و تشریح بیان کی اور محترم ڈاکٹر سرحن نورالٰہی صاحب کی صاحبزادی کا نکاح پڑھایا۔ بعد نمازِ مغرب ا
میں امیرِ محترم نے "جہاد و قتال فی سبیل اللہ: مقصد، فرضیت اور لوازم سورۃ الصف کی روشنی میں" کے موضوع پر خطاب فر
چونکہ ایک ہی دن تھا اور ظاہر ہے کہ سورۂ صف جیسی عظیم سورۃ کا درس یا اس کے مضامین کا خلاصہ ایک نشست
نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے امیرِ محترم نے وعدہ فرمایا کہ وہ مستقبل قریب میں انشاء اللہ اس مضمون کو مکمل فرمائیں گے۔
کہ یہی وہ وعدہ تھا جو امیرِ محترم کے مستقبل قریب میں دورۂ سندھ کا سبب بن گیا اور آپ محترم نے ۱۰ مارچ سے ۱۵
تک سندھ کا دورہ فرمایا۔

۱۰ مارچ کو آپ بذریعہ ہوائی جہاز دوپہر میں کراچی پہنچے اور بعد نمازِ عشاء آپ نے اپنے وعدے کے مطا
میمن سوسائٹی مسجد میں سابقہ خطاب کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے اسی مضمون کو مکمل فرمایا۔ ۱۱ مارچ کو صبح ۱۰ بجے کراچی
تنظیم اسلامی کے مکان پر خواتین کا اجتماع ہوا۔ جس میں تقریباً ۱۰۰ سے زیادہ خواتین نے شرکت کی۔ موضوعِ خطاب ت
میں خواتین کا کردار"۔ خطاب کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی جو تقریباً ایک بجے تک جاری رہی۔ ۱۱ مارچ ہی کو
تنظیم اسلامی کے دفتر میں ۱۰ مارچ کے خطاب ہی کی کڑی کے طور پر سوال و جواب کی نشست ہوئی اور بعد نمازِ مغرب رفقا
اسلامی کراچی کا اجتماع ہوا جس میں امیرِ محترم نے رفقاء سے خطاب بھی فرمایا۔ اس اجتماع میں چار افراد نے امیرِ تنظیم کے
کی۔ ان میں سے ایک کا تعلق پشاور سے ہے جو اپنے کسی کام کی وجہ سے کراچی آئے ہوئے تھے۔ امیرِ محترم کی تقریر کا اشتہا
مسجد تلاش کرتے ہوئے پہنچ گئے۔ خطاب سنا اور آخرکار بیعت کر لی۔

۱۲ مارچ کو امیرِ محترم نے مختلف اصحاب سے ملاقات فرمائی اور سہ پہر تین بجے ٹنڈو جام کے لئے تیار ہو گئے۔ ٹنڈ
امیرِ محترم کا پروگرام پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے زرعی تحقیقی ادارے میں طے تھا۔ میزبان ادارے کے نمائندے ڈاکٹر مح
صاحب، اٹامک انرجی کالونی مسجد کے پیش امام صاحب اور مزید دو اصحاب ٹنڈو جام سے ایک نئی ویگن میں پروگرام کے م
محترم کو لینے کراچی پہنچ گئے۔ کراچی میں مزید ایک کار کا اہتمام کیا گیا تھا۔ محترم عبدالرشید صاحب، محترم عبدالوہاب صاحب
شعیب میاں بشمول مکتبہ ہمارے ہمراہ تھے۔ اس طرح یہ چھوٹا سا قافلہ منزل کی جانب روانہ ہو گیا۔ اور بحمداللہ عصر سے
منٹ پہلے منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔ اٹامک انرجی کالونی کی مسجد میں باجماعت عصر کی نماز ادا کی اور مسجد کے قریب مغرب

نے مکتبہ لگادیا ۔ یہ ادارہ چونکہ تحقیقی ادارہ ہے ۔ اس لئے یہاں پر اعلیٰ تعلیم یافتہ سائنسدان حضرات رہائش پذیر
کے صدر محترم ڈاکٹر محسن اقبال صاحب ہیں جو کہ بہت سادہ طبیعت اور ملنسار ہیں ۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر محمد اشرف صاحب
محترم عبدالواحد صاحب عاصم کے اعزہ کے بہت ہی قریبی دوست نکلے ۔ ہماری میزبانی میں بہت پیش پیش تھے جبکہ
استاد محی مظہر ندوی صاحب بھی عشاء سے پہلے ٹنڈو جام پہنچ گئے ۔ بعد نماز عشاء جلسہ کا آغاز ہوا ۔ تلاوت کلام پاک
ڈاکٹر محسن اقبال صاحب نے محترم ڈاکٹر اسرار احمد کو خوش آمدید کہا اور تعارفی کلمات کہے ۔ اس کے بعد امیر محترم کا
شروع ہوا جو سیرت النبی ؐ کے انقلابی پہلو پر مشتمل تھا ۔ یہ خطاب تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہا ۔ سامعین میں
یافتہ حضرات کے علاوہ ٹنڈو جام سے بھی کافی حضرات نے شرکت کی ۔ شرکاء کی تعداد کا محتاط اندازہ ۳۰۰ سے
تھا ۔ سامعین نے بڑی توجہ سے خطاب کو سنا ۔ ان کے سامنے سیرت النبی ؐ کو امیر محترم نے ایک نئے انداز میں
تھا ۔ امیر محترم کے خطاب کے بعد صدرِ مجلس نے فرمایا کہ میں اس وقت کچھ کہہ کر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تقریر کے اثر
کرنا نہیں چاہتا ۔ چنانچہ دعا پر یہ نشست اختتام کو پہنچی ۔ ۱۳ مارچ کو بعد نماز فجر مسجد ہی میں سوال و جواب کی
ہوئی جس میں امیر محترم نے سامعین کے سوالات کے تسلی بخش جواب دیئے ۔

اس نشست کے بعد کالونی کے ریسٹ ہاؤس میں خصوصی ملاقات کا اہتمام کیا گیا تھا ۔ اس میں مختلف سائنسدان
تعلیم یافتہ حضرات نے امیر محترم سے ملاقات اور مختلف دینی اور سیاسی امور پر گفتگو کی ۔ جن حضرات نے ملاقات کی ان
خوشنود احمد صاحب صدیقی ، ڈاکٹر محسن اقبال صاحب ، ڈاکٹر محمد اشرف صاحب ، ڈاکٹر انصاری صاحب ، ڈاکٹر
ب اور ڈاکٹر ارشاد احمد خان صاحب قابلِ ذکر ہیں ۔ ڈاکٹر ارشاد احمد صاحب کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے ۔
جام کی بہت معروف شخصیت ہیں ۔ آپ امیر محترم کے ہم عمر بھی ہیں ۔ دونوں کا سن پیدائش ۱۹۳۲ء ہے اور دونوں
نے تعلیم بھی تقریباً ایک ہی دور میں حاصل کی ۔ یہ نشست ۱۲ بجے تک جاری رہی ۔ اس دوران تنظیم
ٹنڈو آدم کے صدر جناب امجد آرائیں صاحب اور عبدالنصیر صاحب ٹنڈو آدم سے پروگرام کے مطابق امیر محترم
گئے ۔ ٹنڈو جام سے ہمیں پُرخلوص انداز میں رخصت کیا گیا اور دن کے بارہ بجے ہم ٹنڈو آدم کے لئے روانہ ہوگئے
ئیں صاحب ہماری کار میں بیٹھ گئے جبکہ بقیہ ہمارے ساتھی مکتبہ کے ساتھ امجد صاحب کی کار میں تھے ۔ راستہ میں
بستیوں سے ہوتے ہوئے ہم بخیر و عافیت ایک بجے ٹنڈو آدم پہنچے ۔ وہاں شہر کے باہر ہی چار موٹر سائیکل
سوار نے منتظر تھے ۔ وہ ہمیں جلوس کی شکل میں شہر میں گھماتے ہوتے ہوئے صدر تنظیم جلیسان امجد آرائیں صاحب کی
لے گئے ۔ وہاں پُرتکلف ظہرانہ کا اہتمام تھا ۔ راستہ میں ہم نے بازار اور اہم مقامات پہ بینرز دیکھے جو کہ نہ صرف تنظیم جلیسان
سے تھے بلکہ اور دوسرے کلب اور دکانداروں کی طرف سے آویزاں تھے ۔ جن میں استقبالیہ کلمات لکھے ہوئے تھے اور
کو بڑے بڑے القابات سے نوازا گیا تھا ۔ مثلاً عالم اسلام کے عظیم فرزند ، مفکر قرآن ، امیر تنظیم اسلامی ، عالم اسلام کے
مفکر وغیرہ وغیرہ ۔ اس موقع پر اگر تنظیم جلیسان ٹنڈو آدم کا تعارف ہو جائے تو مناسب ہوگا ۔ یہ تنظیم ٹنڈو آدم کے صالح
ں پر مشتمل ہے جو مذہبی و سماجی اور خدمتِ خلق کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہے ۔ علمائے حق کو اپنے پروگراموں میں
دینا تاکہ صحیح فکر لوگوں تک پہنچے ، ان کے مقاصد میں شامل ہے ۔ ان کی بڑی دیرینہ خواہش تھی کہ امیر محترم کو ٹنڈو آدم بلائیں ۔
لئے وہ کافی عرصہ سے کوشش کر رہے تھے ۔ یہاں تک کہ ان کے خلوص کی بنا پر ان کی خواہش بر آئی ۔ اور امیر محترم کا
آدم کا دورہ طے پاگیا ۔ کھانے کے بعد ہمیں میونسپل ریسٹ ہاؤس لے جایا گیا جہاں ہمارے قیام کا انتظام تھا ۔ عصر کے بعد متعدد
نے ریسٹ ہاؤس میں امیر محترم سے ملاقات کی اور مغرب کی نماز کے بعد ٹنڈو آدم جامع مسجد کے خطیب علامہ احمد میاں حمادی

نے امیرِ محترم سے ملاقات کی۔

ٹنڈو آدم میں جلسہ کا اہتمام مین بازار میں کیا گیا تھا جلسہ شروع ہونے سے کافی پہلے مکتبہ کا اہتمام کر دیا گیا۔ جلسہ میں ٹنڈو آدم میونسپل کمیٹی کے چیئرمین عبدالستار صاحب غوری نے بھی شرکت کی۔ امیرِ محترم نے حضور اکرمؐ کی سیرت کے انقلابی پہلو پیش کیا اور دعوت فکر دی کہ ہم بحیثیت مسلمان کس حد تک حضورؐ اکرم کے مشن میں شریک ہیں۔ ہماری زندگیوں کا رخ کس طرف امیرِ محترم کا یہ خطاب ۲ گھنٹہ تک جاری رہا۔ اس کے بعد ۴ مارچ کو صبح ۹½ بجے میونسپل لائبریری میں امیرِ محترم کا درس قرآن تھا وہاں پر لاؤڈ سپیکر کا انتظام نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود امیرِ محترم نے اپنے گلے پر شدید بوجھ ڈالتے ہوئے ۴۵ منٹ تک سورۃ الـ کی ابتدائی آیات کا درس دیا۔ آپ نے فرمایا کہ سب سے بڑی خدمت خلق لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا اور جہنم کے راستے سے جنت کے راستے کی طرف ڈالنا ہے۔ دنیا کی تکالیف عارضی ہیں جو ختم ہو جائیں گی۔ لیکن آخرت میں جو معاملہ پیش آنے والا ہے اس کی فکر کرنی چاہیئے۔ لوگوں کو عذاب جہنم سے بچانا اصل میں سب سے بڑی خدمت خلق ہے۔

درس قرآن کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی جو مزید ایک گھنٹہ تک جاری رہی اسے بھی امیرِ محترم نے لاؤڈ سپیکر کے بغیر اپنے گلے پر شدید بوجھ سہتے ہوئے نبھایا اور حاضرین کے سوالات کے جوابات دیئے۔ اس نشست کے بعد قریب ہی دفتر میں میونسپل کمیٹی کے چیئرمین جناب عبدالستار صاحب غوری نے امیرِ محترم کو چائے پر مدعو کیا۔ اس کے بعد ہم ٹنڈو سے حیدرآباد کے لئے روانہ ہو گئے۔ امجد آرائیں صاحب اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ ہمیں حیدرآباد تک چھوڑنے آئے۔ اللہ ان حضرات کو جزائے خیر دے اور ان کو اس بات کی توفیق دے کہ وہ حقیقی اور اوّلین خدمت خلق کو پہچانیں اور اپنی صلاحیتیں اس کے لئے وقف کر دیں آمین!

حیدرآباد میں ہم رفیق تنظیم اسلامی جناب عبدالقادر صاحب کے مکان پر پہنچے۔ وہاں ظہر کی نماز ادا کی۔ ٹنڈو آدم کے ذکر میں ایک بات بھول گیا کہ ہماری تنظیم کے بزرگ لیکن جواں عزم ساتھی محترم سعدی صاحب اپنے طور پر کراچی سے ٹنڈو پہنچ گئے۔ آپکا تعلق بلتستان سے ہے۔ دین کے غلبہ کا جذبہ نوجوانوں سے زیادہ ہے۔ اور اسی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ ان کے اکثر اوقات اسی کام کے لئے وقف ہیں۔

عصر کے وقت جناب وارثی صاحب کے مکان پر لطیف آباد میں حیدرآباد کے رفقاء کا اجتماع ہوا جس میں امیرِ محترم نے رفقاء سے ملاقات کی۔ یہیں پر قاضی حمیدالدین صاحب بھی تشریف لے آئے جو کہ امیرِ محترم کے بہت عقیدتمند ہیں۔ آپ نے ٹیلیویژن پروگرام الہدیٰ بڑے شوق سے سنا اور اس کو محفوظ بھی کر لیا۔ میثاق میں انہوں نے پڑھا کہ سورہ فاتحہ کی چوتھی نشست اور سورہ حٰمٓ السجدہ کی تیسری نشست کا درس ادارے کے پاس نہیں۔ اس لئے وہ یہ دونوں درس لاہور بھیجنے والے تھے۔ امیرِ محترم کے پروگرام کا سنا تو خود دینے کے لئے آ گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اس طرح اب ادارے کے پاس الہدیٰ مکمل ہو جائیگا اور قارئین اس سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

اسی دن یعنی ۴ مارچ کو امیرِ محترم نے کوٹری میں جلسہ سیرت النبیؐ سے خطاب فرمایا۔ انجمن خادمین ملت کوٹری کی مشہور انجمن ہے جس کے پروگراموں میں جلسوں کا اہتمام بھی ہے۔ ان کی پرخلوص خواہش تھی کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کوٹری میں تشریف لائیں۔ اس کے لیے انہوں نے خط بھی لکھے اور ذاتی طور پر بھی ملاقات کر کے زور دیا۔ اب امیرِ محترم کا سندھ کا پروگرام بنا تو ان کو ان کے خلوص کی بنا پر ترجیح دی گئی اور خطاب طے پا گیا۔

امیرِ تنظیم نے دو گھنٹہ سے زیادہ کے خطاب میں انقلاب کے مراحل اور سیرت النبیؐ کا جامع خاکہ پیش کیا اور سامعین کو دعوت فکر دی۔ قارئین میثاق جانتے ہیں کہ امیرِ محترم کا خطاب ایک دعوت عمل لئے ہوتا ہے۔ آپ کے سامنے ایک

...کشش ہے جس میں امیر محترم نے اپنے آپ کو گھلا دیا ہے
یہاں پر بھی مکتبہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ سامعین نے کتابوں میں بڑی دلچسپی لی اور خاصی تعداد میں کتابیں حاصل کیں۔
...امید ہے کہ امیر محترم کے ان پروگراموں سے بہتر نتائج مترتب ہوں گے۔ امیر محترم کے لئے دل سے تین دعائیں نکلیں۔
...اللہ تعالیٰ امیر محترم کو ہدایت پر قائم رکھے، ان کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔ برکت کے
...نام سے مجھے برکت اللہ صاحب صدیقی یاد آگئے۔ آپ باشرع نوجوان ہیں۔ آپ امیر محترم کے پروگرام کے لئے نصیر آباد لاڑکانہ
...سے تشریف لائے۔ دینی جذبہ و شوق رکھتے ہیں۔ انہوں نے درس قرآن کا حلقہ قائم کیا ہوا ہے۔ جس میں نوجوانوں کی کثیر تعداد
...شامل ہوتی ہے۔ کتابوں کے بہت ہی قدر دان ہیں۔ ہزاروں کتابیں ان کے پاس موجود ہیں۔ امیر محترم سے ملاقات کے
خواہشمند تھے۔ انہوں نے لاڑکانہ میں امیر محترم کے پروگرام کی خواہش کا اظہار کیا۔

ایک بات جس کا ذکر رہ گیا ہے وہ یہ ہے کہ ٹنڈو جام میں احباب نے ڈاکٹر صاحب کا کتابچہ "نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں" ۵۰۰ کی تعداد میں خرید کر مفت تقسیم کیا۔ ٹنڈو آدم میں ۳۰۰ کی تعداد میں تقسیم کی گئیں جس میں ایک سو افراد کو پروگرام کے دعوت ناموں کے ساتھ جو کہ تنظیم جلیسان نے اہل علم اور ٹنڈو آدم کی اہم شخصیات کو بھیجے تھے تقسیم کی گئیں۔ کوٹری کے احباب نے بھی ۵۰۰ کی تعداد میں یہی کتاب خریدی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین اور امید ہے کہ اس کتاب کے ذریعے صحیح علم اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ جلسہ کے بعد عبدالقادر صاحب کے مکان پر قیام ہوا اور بعد نماز فجر امیر محترم کے ہمراہ کراچی روانہ ہوگئے۔ ۱۵ مارچ کو امیر محترم نے کالیکس کے زیر اہتمام سیرت کے جلسہ سے خطاب فرمایا۔

رات کو گیارہ بجے روزنامہ حریت کے نمائندے جناب شہزاد چغتائی صاحب نے امیر محترم کا انٹرویو لیا جس میں مختلف ملی و قومی مسائل پر گفتگو ہوئی جس کی تفصیل آپ نے اخبارات میں پڑھ لی ہوگی۔

اس طرح امیر محترم کا یہ دورۂ سندھ مکمل ہوا بعدہ امیر محترم لاہور کے لئے عازم سفر ہوگئے۔ مرتب: سید راحد علی رضوی
معاون نائب امیر تنظیم اسلامی برائے صوبہ سندھ

بقیہ: عورت اور اسلامی معاشرہ

تو دوسری اسے یاد دلادے:

یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ گواہی دینا فرض ہے۔ حق نہیں ہے۔ قرآن میں گواہی کے لئے کڑی شرائط مقرر کی گئی ہیں اور سخت تنبیہات آئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہادت دینا کھیل نہیں بلکہ اس کے لئے نہایت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اسلام نے عورت کو ان سخت حالات، عدالت کی جرح و قدح اور منظر عام پر لانے سے بچانے کے لئے اس پر گواہی دینے کا فرض عائد نہیں کیا۔ اگر کوئی دوسرا مرد گواہ نہ ملے تب ہی عورت کو زحمت دی جاتی ہے۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے اور

"جو لوگ اللہ پر یقین کرنے والے ہیں ان کے لئے اللہ سے بہتر فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے" (المائدہ: ۵۰)

(جاری ہے)

ٹینٹ اور ترپال

بنانے کا ممتاز ادارہ

ایچ
نظام دین
اینڈ سنز

مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

THE ORIGINAL
Have a Coke and a smile.
'COCA-COLA' AND 'COKE' ARE THE REGISTERED TRADE-MARKS WHICH IDENTIFY THE SAME PRODUCT OF THE COCA-COLA COMPANY.
paragon

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

رین بو انٹرنیشنل

برآمدی اشیاء

آرٹ سلک فیبرکس گارمنٹس ❖ بیڈ شیٹس
کاٹن کلاتھ ❖ کاٹن گارمنٹس ❖ احرام تولیہ ❖ تولیہ
ہینڈی کرافٹس ❖ لکڑی کا فرنیچر۔

درآمدی اشیاء

لاکھ دانہ ❖ سٹکر فلم ❖ سوچ سٹارٹر
ربڑ لیٹکس ❖ پولیسٹر ریان۔

مرکزی دفتر

I فلور غلام رسول بلڈنگ ۶۰ شاہراہِ قائداعظم لاہور

ذیلی دفاتر: کراچی - فیصل آباد۔

وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين

سورۃ الاسراء۔ الآیۃ ۸۲

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نور الدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

۳۰۱، لنڈا بازار، لاہور ۳۰۶۴۶۸ / ۳۰۵۴۶۹

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of
WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS, TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS PRODUCTS,

HEAD OFFICE:
709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE,
M.A. JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)

2-K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEFHONE: 870512 880731

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
کی مطبوعات میں
ایک اہم اضافہ

سانحۂ کربلا

ڈاکٹر اسرار احمد

کی

ایک اہم تقریر جواب کتابی شکل میں شائع ہوئی ہے۔

صفحات ———— ۴۸

قیمت : ———— ۳ روپے صرف

—— ملنے کا پتہ ——

۳۶ - کے ، ماڈل ٹاؤن ، لاہور ، فون: ۸۵۲۶۱۱

عن انسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال

لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ

(رواہ البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

رشید جیولری ہاؤس

لاہور

ٹمپل روڈ ۔ سوہا بازار

۳۱۱۴۰ — ۳۰۴۳۳ ۔ ۶۴۴۳۳ — ۵۶۲۷۹

پروپرائیٹر

اے وحید

عَنِ الحارثِ الاشعری، قال، قال رسولُ اللہِ صلی اللہُ علیہِ وسلم:

"آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ

بالجَماعَةِ والسَّمعِ والطّاعَةِ والهِجْرَةِ والجِهادِ في سَبِيلِ الله"

(مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ مسند احمد و جامع ترمذی)

رُوحِ فکر

انسان وقت کے دھارے پر بہتا جاتا ہے
اور حالات کے ہاتھوں بے بس ہے
لیکن کوئی دھن کا پکا اپنی سمت خود مقرر کرتا ہے،
ہمت نہیں ہارتا اور ہاتھ پیر مارے جاتا ہے
اور پھر منزل اس کے قدم چوم لیتی ہے

باشعور انسان اپنی زندگی خود بناتے ہیں اور جب
ایک ہی وقت میں ایک ہی لگن کے ساتھ ایسے انسانوں کی
بڑی تعداد ایک ہی منزل کی طرف بڑھتی ہے

تو قوم کی تاریخ بدل جاتی ہے - ۲۷ رمضان المبارک کو
پاکستان کا قیام اس حقیقت کا شاہد ہے
تاریخ قوموں کے عروج و زوال کی داستان ہے
ہر عروج کا پس منظر ایک ہی ہے

عمل اور مسلسل عمل، جدوجہد اور پیہم جدوجہد
اور ہر زوال عزم اور عمل کے فقدان کا نوحہ ہے

اپنے عزم و عمل سے تاریخ کا رخ بدل دیجیے

رُوحِ تاریخ کو سمجھیے

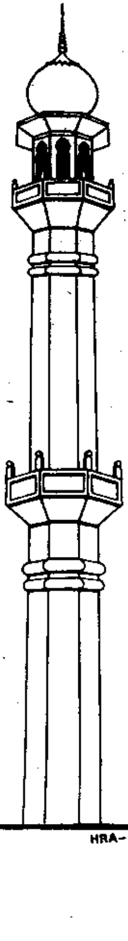

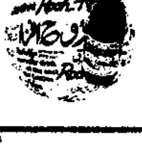

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

Aderts HRA-1/84

آپ کو پری سٹریسڈ کنکریٹ کے معیاری

گارڈر، بلاکس اور سلیب وغیرہ

درکار ہوں تو وہاں تشریف لے جائیے جہاں

اظہار لمیٹڈ کی تیار چھتیں

کا بورڈ نظر آئے

صدر دفتر : ۶ - کوثر روڈ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور

فون:- ۶۹۵۲۲ ۶۱۵۱۴

- پچیسواں کیلومیٹر۔ لاہور شیخوپورہ روڈ
- جی-ٹی روڈ کٹھالہ (نزد ریلوے پھاٹک) گجرات
- پچیسواں کلومیٹر شیخوپورہ روڈ۔ فیصل آباد۔
- فیروزپور روڈ۔ نزد جامعہ اشرفیہ۔ لاہور۔ فون:- ۴۱۳۵۶۹
- شیخوپورہ روڈ۔ نزد نیشنل ہوزری فیصل آباد۔ فون:- ۵۰۶۲۶
- جی-ٹی روڈ۔ مریدکے۔ فون: ۷۰۰۳۸۹
- جی-ٹی روڈ۔ سرائے عالمگیر
- جی-ٹی روڈ۔ سواں کیمپ۔ راولپنڈی۔ فون:- ۶۸۱۲۷
- ۸۷۶-D فرید ٹاؤن ساہیوال۔ فون:- ۳۳۸۲

جاری کردہ: **مختار سنز گروپ آف کمپنیز**

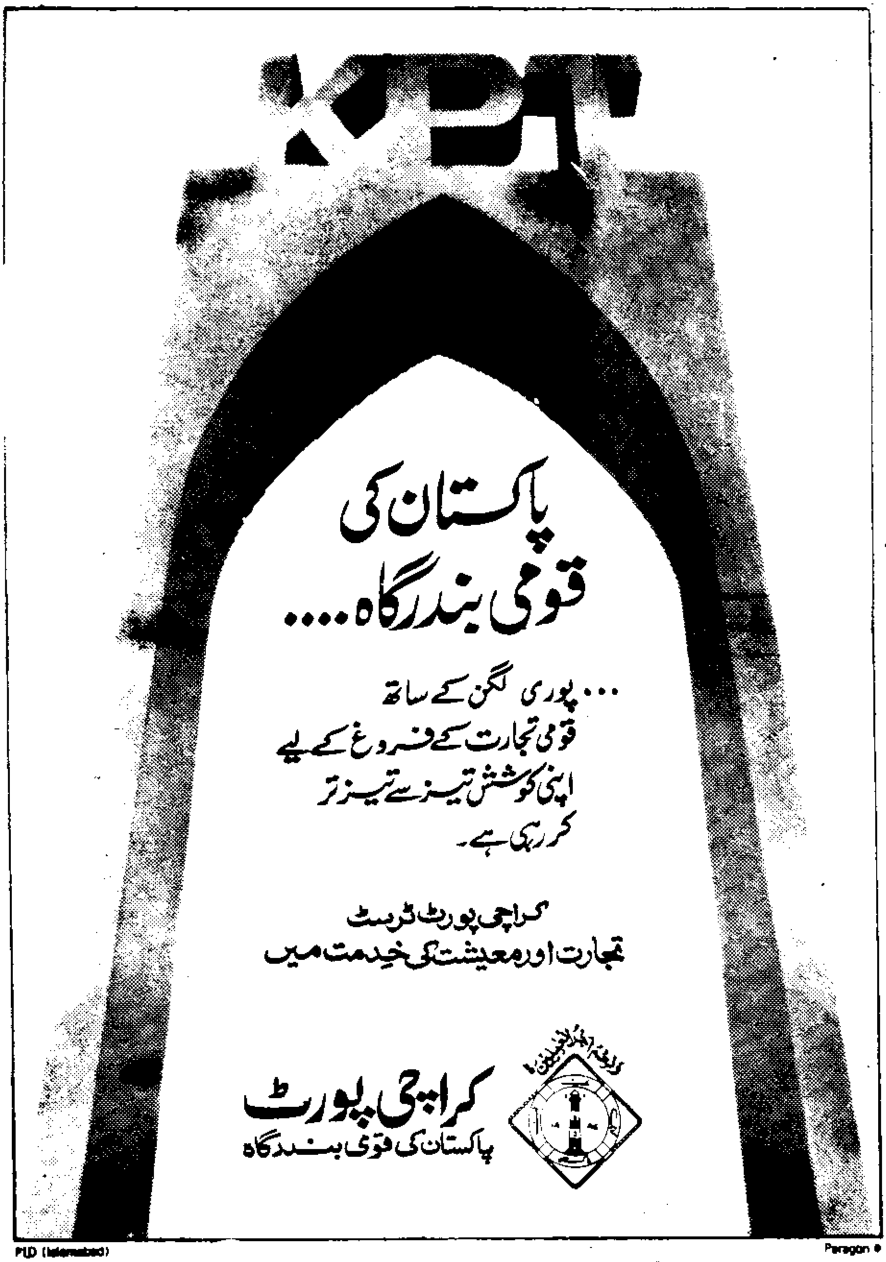

PID (Islamabad)
Paragon

Regd. L. No. 7360

MONTHLY **"MEESAQ"** LAHORE

Vol. 33 | APRIL 1984 | No. 4

قدرتی گیس کا ضیاع روکیئے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس بچا کر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے

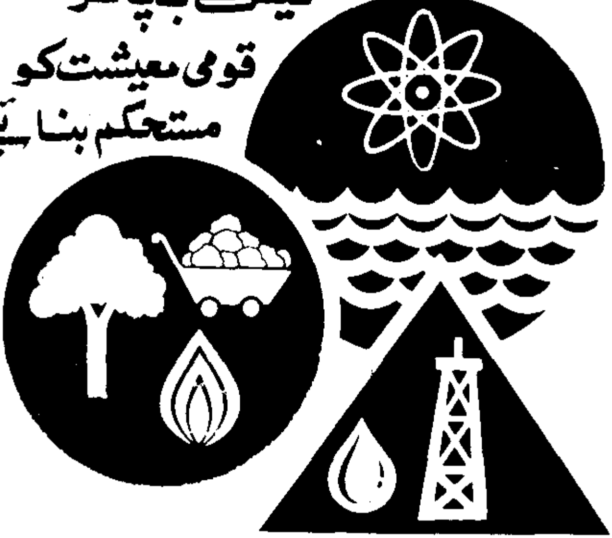

ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات کثیر زرمبادلہ صرف کر کے پوری کی جاتی ہیں۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام آئے گی۔

قدرتی گیس بہت زیادہ
قیمتی ہے
اسے ضائع نہ کیجئے

سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ

SUI NORTHERN

SNGPL 4/80

paragon